اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی بائیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

فروغِ مرثیہ

فروری ۲۰۲۳ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (گیارھواں شمارہ)
اشاعت	:	فروری ۲۰۲۳ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
قیمت فی شمارہ	:	۱۵ر ڈالر، ۱۰ر پونڈ، ۱۰۰ روپیہ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com
فون	:	+1-905-462-9211
پتہ	:	441 JELINIK TERRACE, MILTON ONTARIO, CANADA L9T7N2

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴
۲۔منقبت ---------- جوہرؔ نظامی (پاکستان) ---------- ۶
۳۔اُردو مرثیہ ---------- ڈاکٹر شبیہ الحسن (پاکستان) ---------- ۸
۴۔گوشۂ نجمیؔ ---------- اشفاق نجمیؔ (انڈیا) ---------- ۱۶
۵۔سلام و قطعات ---------- ضامنؔ جعفری (کینیڈا) ---------- ۲۶
۶۔سلام ---------- اخترؔ آصفؔ زیدی (کینیڈا) ---------- ۲۷
۷۔تعزیت بر انتقال علّامہ رشید ترابی ---------- باقرؔ امانت خانی (انڈیا) ---------- ۲۸
۸۔سلام ---------- کلیمؔ ظفر (کراچی) ---------- ۳۱
۹۔میر انیسؔ کی Cinematography ---------- عادلؔ مختار (پاکستان) ---------- ۳۲
۱۰۔حسرتِ ناکام۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- سیّد در الحسن رضوی (انڈیا) ---------- ۳۷
۱۱۔غیر مطبوعہ مرثیہ امام حسینؑ ---------- محمد علی ظاہر (پاکستان) ---------- ۳۹
۱۲۔ادب میں عظمتِ غم کا تصور ---------- علی عرفان (کینیڈا) ---------- ۵۴
۱۳۔تصویرؔ فاطمہ کا غیر مطبوعہ مرثیہ اور تعارف ---------- عباس نقوی (پاکستان) ---------- ۵۷
۱۴۔سلام ---------- تصویرؔ فاطمہ (کراچی) ---------- ۶۹
۱۵۔سلام ---------- ساجدؔ علی (کینیڈا) ---------- ۷۰
۱۶۔سلام ---------- زرنگارؔ عباس (پاکستان) ---------- ۷۰
۱۷۔سلام ---------- حسن رضاؔ رضوی (دبئی) ---------- ۷۱
۱۸۔میر انیسؔ کے ایک سو گیارہ مرثیے ---------- اکبر حسن جعفری (امریکہ) ---------- ۷۲
۱۹۔مخمس بعنوانِ حرّیت ---------- مضطرؔ جونپوری (انڈیا) ---------- ۷۵
۲۰۔ایڈیٹر کے نام خط ---------- ڈاکٹر مظہرؔ عباس، شہابؔ صفدر (پاکستان) ---------- ۷۹

اداریہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فروغِ مرثیہ کا گیارہواں شمارہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔اس شمارے کی اشاعت کا یہ تیسرا سال ہے۔کراچی اور الٰہ آباد سے شائع ہونے والا یہ شمارہ فروغِ مرثیہ میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور کسی قیمت کے بغیر صرف ڈاک خرچ ادا کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اعزازی کا پیاں خود ادارہ اپنے خرچ پر ترسیل کرتا ہے اور اس سلسلے میں پاکستان میں بشارت حسین صاحب، ہندوستان میں عون پرتاب گڑھی صاحب، برطانیہ میں ذیشان زیدی صاحب سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے اور اکثر صاحبان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ شمارے کی PDF ان تک پہنچا دی جائے، جسے ہماری نظر میں اصل شمارے کی افادیت کا کم کرنا ہے لہٰذا فروغِ مرثیہ کے تمام شمارے PDF کی صورت شمارے کی اصل طباعت کے ۲ سال بعد ہی عوام تک پہنچ پائیں گے۔

فروغِ مرثیہ کے شماروں کی پذیرائی کا شکریہ۔پاکستان، ہندوستان، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا کے قارئین کا شکریہ جو فروغِ مرثیہ کی اس کاوش کو سراہ بھی رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً تعمیری تنقید سے بھی نوازتے ہیں، شمارے کی بہتری کے لیے آپ کی رائے ہمارے لیے مقدّم ہے۔یہاں یہ بتلانا ضروری ہے کہ فروغِ مرثیہ کے شماروں میں آپ سب شعرا، محققین، ناقدین اور نثر نگاروں کے کلام، مضامین، خطوط اور آراء کو چھاپنا ادارہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے لہٰذا faroghemarsiya@gmail.com پر اپنے مضامین اور کلام کو بھیجتے رہیے تاکہ انھیں آئندہ آنے والے شماروں میں شامل کیا جا سکے۔

پچھلے دنوں فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا کے زیرِ اہتمام جناب اختر آصف زیدی کی تدوین و ترتیب کردہ کتاب ''کینیڈا اور امریکہ کے اردو مرثیہ نگار'' منظرِ عام پر آئی جو قارئین میں مقبول ہے، ادارہ ممنون ہے آپ سب کی پسندیدگی کا اور اسی طرح ان شاء اللہ اشاعت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

جناب اختر آصف زیدی نے کینیڈا اور امریکہ کے ۲۲ مرثیہ نگاروں کے کلام اس کتاب میں شائع کیے ہیں اور ایک موثر مقدمے نے اس کتاب کو مزید جاذبیت بخشی ہے۔

پروفیسر ضمیر حیدر کی کتاب ''اُردو مرثیے میں نعتیہ عناصر''، ڈاکٹر مظہر عباس رضوی کی کتاب ''قلم محوِ عبادت ہے'' جناب شہاب صفدر کی کتاب ''نیازِ اشک'' اور جناب ارتضیٰ عباس نقوی کی کتاب ''مراثیِ ریاض'' کی اشاعت پر ادارہ مبارک باد پیش کرتا ہے۔

پچھلے ۵ مہینے ڈاکٹر ہلال نقوی ملٹن کینیڈا میں اپنے فرزند جناب علی دانیال کے ساتھ مقیم تھے، ناچیز کی رہائش بھی اسی شہر میں ہے لہٰذا کسبِ فیض کا سلسلہ جاری رہا۔کوئی دو ماہ پہلے ڈاکٹر تمثال مسعود (جو کہ نیویارک میں مقیم ہیں، جناب نیر مسعود کے صاحب زادے اور جناب مسعود حسن رضوی ادیب کے پوتے ہیں اور امریکہ میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں اور حال ہی میں جن کی ترتیب و تدوین کردہ کتاب

''انیس کے ۱۱۱ مرثیے'' کا اجرا ہوا ہے جس کی تفصیل اس شمارے میں اکبرحسن جعفری صاحب کے مضمون میں شامل ہے) کا فون آیا کہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی اور آپ سے ملاقات کرنی ہے، مقصد ڈاکٹر ہلال نقوی کی کینیڈا میں موجودگی اور ان سے کسبِ فیض۔ بہر حال پروگرام طے پایا اور ان کی آمد سے ایک دن قبل کرار جونپوری صاحب کے منجھلے فرزند یداللہ حیدر صاحب کے بڑے بھائی اور ہمارے سسر جناب عبداللہ حیدر کے انتقال کی خبر آئی۔ ڈاکٹر تمثال اور ڈاکٹر ہلال سے رابطے کے بعد یہ طے ہوا کہ ملاقات ضرور ہونی چاہیے اور تمثال مسعود اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے ساتھ ناچیز کی ملاقات غریب خانے پر ہفتہ، دسمبر ۳ کو ملٹن کینیڈا میں ہوئی۔ اہلیہ کی غیر موجودگی اور گھر میں صدمے کی صورتِ حال کی وجہ سے خاطر خواہ انتظام نہیں کر پایا اس لیے ان دونوں کرم فرماؤں سے معذرت ہے۔ ۸ گھنٹے کی اس طویل ملاقات میں مرثیے کی نسبت بہت سے موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا اور آنے والے منصوبوں پر بھی خاطر خواہ اظہارِ خیال کیا گیا۔ فروغِ مرثیہ، جناب نیرؔ مسعود، جناب مسعود حسن رضوی ادیب کی مرثیے کے لیے خدمات کا بھی ذکر رہا اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے مرثیے کے او پر احسانات کا بھی، ڈاکٹر تمثال سے یہ ملاقات ۸ گھنٹے بعد بھی تشنہ رہی اور ان شاء اللہ ان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

کل رات ہی دبیرؔ کے مرثیے۔ جلد سوم کا مسودہ چھپائی کے لیے بھیجا گیا ہے اور دبیرؔ کے تقریباً ساڑھے چار سو مرثیوں میں سے اب ۱۱۸ مرثیے تا حدِ الامکان صحتِ متن کے ساتھ عوام الناس کے سامنے آچکے ہیں۔ صغیرؔ سونوی کی کلیات کمپوزنگ، ابرؔ جونپوری کے مرثیے پروفنگ اور مونسؔ کے مرثیے کی پہلی جلد پروفنگ اور دوسری اور تیسری جلد کمپوزنگ کے مرحلوں سے گذر رہی ہیں۔ ان شاء اللہ مونسؔ کے مرثیے کی تینوں جلدیں ایک ساتھ چھاپنے اور ان کے ایک ساتھ اجرا کا ارادہ ہے اور اگلے دو سال میں یہ منصوبہ مکمل ہو پائے گا۔ ''فرہنگِ مونسؔ'' پر کام جاری ہے اور فرہنگِ مرثیہ جو کہ خادم کی زندگی کا حاصل ہوگا اس پر بھی کام جاری ہے، اشاریۂ انیسؔ اور اشاریۂ دبیرؔ پر ساتھ ساتھ کام جاری ہے اور اگلے چند سال منصوبوں کی تکمیل کے سال ہیں۔ دعا کیجیے گا کہ ناچیز کامیاب ہو اور فروغِ مرثیہ کا یہ سفر زندگی بھر جاری رہے۔ آخر میں خصوصی شکریہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، جناب جاویدؔ حسن، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، جناب عابدؔ جعفری، جناب ضامنؔ جعفری، ڈاکٹر عقیل عباس جعفری کا جن کی مدد اور ساتھ کے بغیر فروغِ مرثیہ کے ان منصوبوں کا مکمل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ جناب بشارت حسین، جناب ریحان احمد، محترمہ ارم نقوی، جناب جوہر عباس کی محنتوں کا شکریہ جو قدم بقدم ان منصوبوں میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ جناب ارتضیٰ عباس، جناب عون پرتاب گڑھی، جناب ضمیر حیدر کا شکریہ جن کے ساتھ کی بدولت فروغِ مرثیہ کا یہ سفر کامیابی سے جاری ہے۔

طالبِ دعا

اصغر مہدی اشعر

۳۰ر دسمبر، ۲۰۲۲ء

ملٹن، کینیڈا

منقبت

جوہرؔ نظامی

تو ہے روشنی تو ہے نور — تو ہے دین کا پاک شعور
تیرے نطق میں حسنِ کلام — پایۂ عرش پہ تیرا نام
تو ہے خالق تو مخلوق — تو ہے رازق تو مرزوق
تو ہے عالم تو معلوم — تو ہے قاسم تو مقسوم
تو ہے آمر تو مامور — تو ہے ذاکر تو مذکور
تو ہے قاتل تو مقتول — تو ہے عاقل تو معقول
تو ہے شاہد تو مشہود — تو ہے حامد تو محمود
تو ہے ساجد تو مسجود — تو ہے عابد تو معبود
تیرے چاکر شاہ و گدا — تو ہے سرّ ما اوحیٰ
تو ہے قدرت کا ہمراز — عرش تری حدِ پرواز
تو ہے دنیا کا غمخوار — جگت جگت کا پالنہار
تو مشرق مغرب کا رب — تو ہے مسبّب تو ہے سبب
کرشن کنہیا گوتم بدھ — سیکھے تجھ سے سار اور سدھ
کس کے دم سے ہوئی حضور — آدمؑ کی توبہ منظور
جب وہ پکارا علیؑ علیؑ — نوحؑ کی کشتی پار لگی
تو ہے عصائے موسیٰؑ بھی — تاثیر دم عیسیٰؑ بھی
تو ہے ابراہیمؑ خلیل — تیرا صحابی جبرائیلؑ
تو ہے کعبے کا مہمان — پیغمبر تیرے دربان
تو ہے مشیّت تو منشاء — تو ہے خضرؑ کا راہنما
کوئی نہ سمجھا تیری شان — ملا بھی ہے سرگردان

اب کشف حالات کروں
کھل کر تیری بات کروں
ہر ہر حرف کا تو آغاز
تو ہے اللہ کی آواز
تو قرآنِ ناطق ہے
تیرا منکر فاسق ہے
ہر اجمال کی تو تفسیر
تو ہے مومن کی تقدیر
تیری محبت دل کی امنگ
تیری محبت ایک ترنگ
تیری محبت ٹھنڈی آگ
تیری محبت میرے بھاگ
تیری محبت سوز و گداز
تیری محبت میری نماز
تیری محبت دل کا سرور
تیری محبت آنکھ کا نور
تیرا محب محبوبِ خدا
تیرا عدو مغضوبِ خدا
تیرا محب تصویرِ وفا
تیرا عدو ابلیس نما
وہ ہے جنّت کا حقدار
یہ ہر حال میں ہے فی النّار
پی لی جب عرفان کی بھنگ
اترا میرے دل کا زنگ
لاکھ زمانہ بدلے رنگ
میں ہوں جوہرؔ مست ملنگ

اُردو مرثیے میں نعتیہ عناصر

تحقیق وترتیب
پروفیسر ضمیر حیدر

(شائع ہوگئی ہے)

ڈاکٹر مظہر عباس کی مذہبی شاعری پر مشتمل کتاب

قلم محوِ عبادت ہے

(شائع ہوگئی ہے)

اردو مرثیہ

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

جمع وترتیب: ارشد خالد، اعجاز عبید

شعروادب میں ایسے واقعات زیادہ اہم قرار پاتے ہیں جو انسان کی اجتماعی زندگی اور معاشرت پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ واقعۂ کربلا محض ایک تخیلی داستان نہیں بلکہ اس واقعے میں معاشرت کرنے کے اعلیٰ اقدار مل جائیں گے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے تاریخی واقعات کی بہ نسبت واقعۂ کربلا نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ حق گوئی، مظلومیت اور تمرّد کے خلاف جہاد کرنا، یہ ایسے اعلیٰ اقدار ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ معاشروں کو متاثر کیا بلکہ اس کے اثرات ادب وشعر پر بھی مرتسم ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ اعلیٰ قدروں کی ترویج کے لیے کربلا کو استعارہ بنایا گیا، اور ان استعاروں اور تلازموں سے نہایت عمدہ اور کارگرشہ پارے تخلیق کیے گئے۔

معروف وغیر معروف ناقدین، محققین اور دانشوروں کی جانب سے بالعموم یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے مختلف اصنافِ شعروادب کو متاثر کیا، بطور ثبوت غزل، داستان، افسانہ، مثنوی، ناول، نظم، ناولٹ، سفرنامہ، رپورتاژ اور دیگر اصناف میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ کربلا نے محض شعروادب ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ اُردو شاعری کو متعدد اصناف سے مالا مال بھی کیا۔ آپ سلام، نوحہ اور مرثیہ کا بغور مطالعہ فرمایئے اور اس سوال کا کھوج لگایئے کہ کیا واقعہ کربلا کے بغیر ان اصناف کا ظہور میں آنا ممکن تھا؟؟ صنفِ مرثیہ وہ ممتاز صنف ہے، جس کا خمیر اسی برصغیر میں تیار ہوا اور یہی وہ صنف ہے کہ جس میں اُردو کے بیشتر اصناف کے محاسن کا جوہر مل جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ مرثیے کی صنف کو برصغیر پاک وہند سے جو خصوصیت ہے وہ کسی دوسری صنف کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ سلام ونوحہ بھی صنفِ مرثیہ کی توسیع ہیں۔

مرثیہ، سلام اور نوحے کے اصناف ہر عہد میں اس لیے مقبولِ خاص وعام رہے کہ ان میں زندگی کی اعلیٰ قدریں پیش کی جاتی رہیں اور اسی سبب سے ان کے ذریعے اعلیٰ تر معاشرتی رویّے ظاہر ہوئے۔ آج بھی مذکورہ اصناف میں واقعۂ کربلا کے حوالے سے زندگی بسر کرنے کے بہترین تصورات مل جائیں گے۔ واقعۂ کربلا کا یہ فیضان ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں ایسے شعراء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے، جو ان اصناف کے حوالے سے معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔

لکھنو برصغیر کی تہذیب وثقافت کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہی سبب ہے کہ جملہ فنونِ لطیفہ یہاں اوجِ کمال تک پہنچے۔ نثر ہو یا شاعری، یہاں کے تخلیق کاروں نے ہر میدان میں اپنی صناعانہ تخلیقی ہنرمندیوں کا ثبوت دیا۔ فن کے اظہار کے لئے نئے نئے راستے تلاش کیے جانے

لگے۔خارجیت اور ڈرامائی عناصر کے امتزاج سے لکھنؤ میں ایک منفرد شعری فضا تشکیل پانے لگی۔اسی صورتِ حال میں خارجیت، ڈرامائی عناصر اور واقعۂ کربلا کے مثلث نے صنفِ مرثیہ کا تخلیق نامہ مرتب کیا۔برصغیر کی سرزمین کا طرزِ احساس اور اس کے تہذیبی اثرات نیز عرب کے تاریخی واقعات وعوامل انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیوں میں یکجا ہو کر فن کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگے۔ان دونوں حضرات نے مرثیے کے تخلیقی امکانات کو وسیع کیا(۹)اور اپنے بہترین افکار کو اپنے متنوع اسالیب میں پیش کر کے ہر عہد کے شعراء کو متاثر کیا۔تا اینکہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔انیسؔ و دبیرؔ نے برصغیر کے تہذیبی عناصر کو جس طرح اپنے مرثیوں میں محفوظ کیا تھا، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ان کے مرثیوں کے مطالعے سے ہم آج بھی برصغیر کی اسلامی تہذیب وثقافت کا کھوج لگا سکتے ہیں۔

بیسویں صدی میں ہندوستانی معاشرت پر طرح طرح کے بین الاقوامی سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔انیسؔ و دبیرؔ کا لکھنؤ زوال آمادہ تھا اور عظیم تہذیبی روایات دم توڑ رہی تھیں۔تاہم بقول سیّد عاشور کاظمی:

''۱۸۵۷ء کے بعد اودھ کی تہذیب کو مٹانے کی کوششوں کے باوجود لکھنؤ گہوارۂ علم و ادب تھا......میر انیسؔ کا شہر لکھنؤ، رثائی ادب کا شہر لکھنؤ، تہذیبِ سیادت کا شہر لکھنؤ، وہ شہر جو دماغ وضع کرتا تھا۔وہ شہر جو پتھروں کو دل بنا دیتا تھا۔

دانش مند کہتے ہیں کہ جب چراغ بجھنے لگتا ہے تو اس کی لَو تیز ہو جاتی ہے۔کچھ یہی صورتِ حال لکھنؤ میں بھی تھی کہ زوال آمادگی کے باوجود یہاں متداولہ علوم وفنون ترقی کر رہے تھے اور یہاں کی چمک دمک نو واردان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مختلف تاریخی، سیاسی، سماجی اور معاشی اسباب کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کے معاشرے میں شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔اس حوالے سے پہلے ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی رائے ملاحظہ فرمائیے

''......انگریز حاکم ہندوستان کی محکوم اور ''وحشی'' رعایا کو زیادہ سے زیادہ ''متمدّن'' بنانا چاہتے تھے تاکہ ان کا معیارِ زندگی اعلیٰ سطح پر آ جائے اور نتیجتاً وہ ان اشیائے تجارت کی کھپت کر سکیں جو انگلستان کی ملوں میں تیار ہوتی ہیں۔''

اس معاشرتی بے کلی اور ٹوٹ پھوٹ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پورے معاشرے میں اب کیا ہوگا......؟؟؟؟ کے اندیشے پائے جانے لگے۔اس صورتِ حال نے دوسرے دوائر کی طرح ادب کے دائرے کو بھی متاثر کیا۔سرسید نے تہذیب الاخلاق کے اجرا سے اپنے تئیں معاشرے کو سدھار لیا جبکہ حالیؔ نے مسدّس مد و جزرِ اسلام لکھ کر تہذیب الاخلاق کی منظوم شرح کر کے سرسید سے حق دوستی ادا کر دیا۔آپ اس دور کے شعر و ادب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ گومگو اور پژمردہ صورت حال کے سبب سے شعر و ادب میں ایک طرف تو مایوسی، اضمحلال اور تھکن کا لہجہ ظاہر ہوا اور دوسرے رخ پر اس کے ردِّعمل میں ایک تند و تیز، گھمبیر اور دبنگ لہجہ معرضِ وجود میں آ گیا۔ان دونوں لہجوں کا مطالعہ کیجیے تو یہ ایک ہی جیسے حالات کا نتیجہ ثابت ہوں گے۔اس زمانے میں سیاسی اور معاشی صورت حال کی وجہ سے شعر و ادب میں بھی ایک زبردست مزاحمت اور احتجاج کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔بیشتر اصناف اپنا اپنا چولا بدل رہے تھے۔چنانچہ مرثیے نے بھی عصری مسائل کو جذب کیا۔یہی سبب ہے کہ بیسویں صدی کے بیشتر مسائل آپ کو اس زمانے کے مرثیوں میں ضرور ملیں گے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''......بیسویں صدی میں مرثیے کا نیا سفر برصغیر کے اس زوال پذیر معاشرے کی دہلیز سے شروع ہوتا ہے جس میں فیوڈل سسٹم کے نئے جال بنے جا رہے تھے اور انگریزوں کی حاکمیت اس خطے میں اپنے نظامِ فکر کے بیج بو رہی تھی''۔

بیسویں صدی کا سورج نئے نظریات و میلانات لے کر طلوع ہوا اور خصوصاً مغربی اصناف کے حوالے سے اُردو اصناف میں جدید افکار و نظریات کی ضرورت کا احساس پیدا ہونے لگا۔ مغربی تہذیب نے اپنی رنگارنگی کی وجہ سے اہلِ مشرق کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ سوچ اور فکر کے مروجہ معیارات تبدیل ہونے لگے۔ پرانے پیمانے بوسیدہ قرار دیئے گئے اور اب نئے شعری پیمانوں میں جدید شراب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ شعر و ادب کا تعلق فرد سے زیادہ معاشرے سے جوڑا جانے لگا اور اجتماعی لب و لہجہ کو اہمیت ملی۔ نتیجتاً قومی اور ملّی شاعری کو عروج حاصل ہوا اور مذہبی مرثیوں کی جگہ قومی اور شخصی مرثیوں نے لے لی، اقبالؔ، نظمؔ طباطبائی، صفیؔ لکھنوی، ریاضؔ خیر آبادی، اثرؔ لکھنوی اور چکبستؔ لکھنوی وغیرہ نے قومی اور ملّی مرثیوں کے ذریعے ملّت کو بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس طرح مرثیے کا رشتہ قومی شاعری سے جڑ گیا۔ بعض ناقدین نے اس منظرنامے کے حوالے سے سطحی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ اس عہد میں ''مذہبی مرثیے'' کو زوال آ گیا تھا، مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ بنظرِ غائر دیکھیں تو قومی اور ملّی مرثیے بھی دراصل اسی روایتی مرثیے کا ایک جدید رُوپ ہیں۔ اب اس حوالے سے صرف دو بند ملاحظہ فرمایئے اور مذہبی مرثیے کا اثر شخصی اور ملّی مرثیہ پر ملاحظہ کیجئے۔

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور ۔۔۔ دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم ۔۔۔ صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلّف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں ۔۔۔ پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں (علامہ اقبالؔ)

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا ۔۔۔ رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا ۔۔۔ دلوں میں آ کے یہ ارمان جا نہیں سکتا
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ''ہوم رول'' کے بدلے (چکبستؔ لکھنوی)

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں پوری دنیا میں عموماً اور مختلف اسباب کی بناء پر ہندوستان میں خصوصاً اجتماعی شعور بیدار ہو رہا تھا۔ ایسے لائحہ عمل مرتب کیے جا رہے تھے، جن سے معاشرتی سطح پر انقلابی تبدیلیاں لائی جا سکیں۔ اس حوالے سے مظلوم دیسی عوام کے اوپر کیے گئے مظالم کو مختلف سطحوں پر پیش کر کے سامراجی استبداد اور ظالمانہ حیثیت کو خوب اُبھارا جا رہا تھا۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز کے بعد عوام النّاس میں ایک انقلابی رجحان پیدا کرنے کے لیے واقعۂ کربلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا تھا۔ اس روّیے کو مرثیہ گو شعراء بھی محسوس کر رہے تھے۔ دولہا صاحب عروجؔ کے مرثیے کا یہ شعر اس عہد کے بدلتے ہوئے رجحانات و میلانات کی نمائندگی کرتا ہے۔

ظلمت کدے میں ہوں پہ تجلّی پسند ہوں
میں ہوں عروجؔ کیوں نہ ترقی پسند ہوں

اس سیاسی، سماجی اور معاشرتی صورتِ حال کا اُردو مرثیے کی ہیئت پر تو زیادہ اثر نہ ہوسکا لیکن موضوعات اور مواد کے اعتبار سے اس میں دُور رس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ خاص طور پر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کے حالات و واقعات کو بطورِ خاص مرثیوں میں جگہ دی جانے لگی اور پیغامِ امامِ عالی مقام کی تشہیر ہی اس کا بنیادی موضوع قرار پایا۔ اس سلسلے میں آلِ رضاؔ، نجمؔ آفندی، نسیمؔ امروہوی، جمیلؔ مظہری، علی سردارؔ جعفری اور جوشؔ ملیح آبادی نے جس طرح مرثیے کو مقصدی لے عطا کی اور اس صنف کو جدید عصری تقاضوں کے عین مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، اس کی جتنی بھی مدح کی جائے کم ہے۔ آلِ رضاؔ اور جمیلؔ مظہری نے مرثیے کے مزاج و مذاق میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ جوشؔ نے انفرادی طور پر مرثیے کو رولانے کی بجائے جگانے کا ہتھیار بنایا۔ نسیمؔ امروہوی نے زبان و بیان کی نزاکتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مرثیے میں ہیئت کے کامیاب تجربے کیے۔ اس طرح ان قدآور مرثیہ نگاروں کی کاوشوں کے نتیجے میں مرثیے کو ایک مرتبہ پھر عروج حاصل ہوا اور فنی و فکری ہر لحاظ سے یہ صنف دوسرے وقیع اصناف کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ ان معروف مرثیہ نگاروں کے درج ذیل بند کا مطالعہ کیجئے اور دیکھیے کہ اس زمانے میں مرثیہ کس طرح اپنے اندر عصری شعور کے سبب تبدیلی پیدا کر رہا تھا۔

ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر — اہلِ زمیں کی چاند ستاروں پہ ہے نظر
مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر — ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے (نجمؔ آفندی)

اسلام ہے پھر تیرِ حوادث کا نشانہ — اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ — کیوں چُپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابنِ علیؑ ہو (جوشؔ ملیح آبادی)

اب چپ رہو دل ذرا سنبھالو — حضرت نے کہا کہ رونے والو!
ہمت سے یہ بارِ غم اُٹھا لو — اشکوں کا وفور ہو تو ٹالو
پیغامِ مشیّت آ گیا ہے
ہنگامِ وصیّت آ گیا ہے (نسیمؔ امروہوی)

ان جدید مرثیہ نگاروں کا لگایا ہوا تخم ثمردار ہوا اور بہت سے ایسے مرثیہ نگار ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے افکارِ عالیات کے ذریعے اس صنف کو مالا مال کیا۔ یہی سبب ہے کہ اس دور میں ہر قابلِ قدر شاعر نے صنفِ مرثیہ میں طبع آزمائی کی۔ ان شعراء میں قمرؔ جلالوی، شوکتؔ

تھانوی، علامہ محسنؔ اعظم گڑھی، ڈاکٹر یاور عباسؔ، راجہ صاحب محمود آباد، عزمؔ جونپوری، رئیسؔ امروہوی، راغبؔ مراد آبادی، ڈاکٹر صفدرؔ حسین، کرارنوریؔ اور فیض احمد فیضؔ کے اسمائے گرامی بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

موجودہ دور ذہنی وفکری انتشار کا دور ہے۔ جب معاشرے میں منتشر قوتیں فروغ پا رہی ہوں تو انسان اپنے اندر سمٹنا شروع کر دیتا ہے۔ چیزوں میں اختصار کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے اور اصنافِ شعر بھی مختصر سے مختصر ترین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی مسائل، سماجی حالات اور اندرونی بے چینیاں بھی انسان کو بے کل کر دیتی ہیں۔ اب قارئین ان اصنافِ ادب وشعر کو اہمیت دیتے ہیں، جو ان کے عصری مسائل سے ہم آہنگ ہوں اور ان کے مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکیں۔ مرثیہ بھی ان عمرانی حالات سے دوچار ہوا مگر اپنے مزاج کے سبب اس صنف نے جلد ہی عمرانی تقاضوں کو سمجھا اور اپنے اندر تبدیلیوں کی اجازت دے دی۔ نتیجتاً موجودہ مرثیہ نگاروں نے مرثیے میں جدید نفسیاتی، سماجی اور سیاسی مسائل کو نہ صرف یہ کہ پیش کیا بلکہ ان کے حل کے لیے نسخے بھی تجویز فرمائے۔ عہدِ جدید میں صباؔ اکبر آبادی، شاہدؔ نقوی، سہیلؔ بنارسی، شائقؔ زیدی، ساحرؔ لکھنوی، ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی، خیال امروہوی، مظفرؔ نقوی، سردارؔ نقوی، ظہوؔ جارچوی، وحیدؔ الحسن ہاشمی، سیفؔ زلفی، عبدالرؤف عروجؔ، افسر عباسؔ زیدی، ظفر شاربؔ، اثرؔ ترابی، حسن عسکریؔ کاظمی، اثرؔ جلیلی، سید فیضیؔ، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، امیدؔ فاضلی، قسیمؔ امروہوی، اسیرؔ فیض آبادی، شیدؔ احسن زیدی، میر رضیؔ میر، عارفؔ امام، احمد نویدؔ، کوثرؔ امروہوی، عرفیؔ ہاشمی، علی رضاؔ کاظمی، حشمت علی قنبرؔ، طاہرؔ ناصر علی وغیرہ کے مرثیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان شعراء نے فنی اور فکری سطح پر مرثیے کو عہدِ جدید سے پیوست کر دیا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں جس شاعر نے مرثیے میں فکر انگیز اور اجتہادی تبدیلیاں کیں اور اسے مقبولِ خاص وعام بنایا وہ قیصرؔ بارہوی تھے۔ انہوں نے مرثیے کو واقعۂ کربلا کی خیرہ کر دینے والی روشنی میں ایک عالی شان فتح کا نقارہ بنا دیا ہے

کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقارہ ہے

عصرِ حاضر کے انحطاط پذیر معاشرے میں اخلاقی قدروں کی آبیاری کرنا کسی جہاد سے کم نہیں ہے۔ مخربِ اخلاق رسوم ورواج نے لوگوں کو ذہنی طور پر ماؤف بلکہ مفلوج کر دیا ہے۔ افراد معاشرے اور معاشرہ فرد سے لاتعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ صورتِ حال ہمارے دور میں اِس لیے مزید لائق توجہ ہوگئی ہے کہ اب عوام الناس کا ادب اور ادیبوں سے اعتبار اُٹھتا جا رہا ہے۔ ایک عام تاثر یہ ہے کہ ہمارا شعر وادب معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے لہٰذا اس کا مطالعہ اپنے قیمتی وقت کا ضیاع ہے۔ اس طرزِ احساس کا اثر ہمارے مرثیہ نگاروں پر بھی ہوا ہے۔ ایک جدید مرثیہ نگار کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمائیے اور بدلتے ہوئے ادبی حالات اور قوانین کا ذہنی بصیرت وبصارت سے تجزیہ فرمائیے:

سائنس کا ادیب نے دیکھا جو ارتقا ٹیکنالوجی کو اپنا مقابل سمجھ لیا
یوں کشمکش کی زد میں ادب کا سفر ہوا آندھی سے شب کی جنگ ہوئی بجھ گیا دیا
کل جو ادب تھا ابرِ گہر بار کی طرح
اب بانجھ ہے لٹے ہوئے بازار کی طرح

بتلائیں جو ہیں آج کی دنیا سے بے خبر وہ کیا ہے جس کو کہتے ہیں تخلیق کا سفر
ہٹ جائے راستے سے تو یوں ہے وہ راہبر جس طرح کور چشم کی سورج پہ ہو نظر
اِک داغ ہے وہ دامنِ افکار کے لیے
تخلیق جس ادب کی ہو بازار کے لیے

دلچسپ کس قدر ہے تماشائے زندگی راہِ عمل سے کٹ کے کہاں جائے زندگی
ایسے ادب سے خود کو جو بہلائے زندگی عبرت کے مدفنوں میں نظر آئے زندگی
کیا زندگی کا ایسے ادب سے نباہ ہو
فٹ پاتھ جس کی آخری آرام گاہ ہو

ایسا ادب کہ جس میں پیامِ عمل نہ ہو دامن میں مسئلے ہوں مگر ان کا حل نہ ہو
تاریک جس کی آج ہو، تابندہ کل نہ ہو کس طرح اس کی تاک میں دیوِ اجل نہ ہو
اس زیست کو اجل کی ضرورت شدید ہے
کاہل کی موت قوم کے حق میں مفید ہے

جب منزلِ عمل سے ہوا دُور یہ ادب ہر زاویے سے ہو گیا مقہور یہ ادب
بھٹکے ہوئے شعور کا منشور یہ ادب اُجرت عذابِ زیست ہے مزدور یہ ادب
اُجڑا ہوا ہے مصر کے بازار کی طرح
تاریک ہے یزید کے کردار کی طرح

(سیّد عرفی ہاشمی)

دانش مندوں کا کہنا ہے کہ اب یہ وسیع و عریض دنیا گلوبل ولیج اور گلوبل ہٹ سے سمٹتی ہوئی آنکھ کی پتلی میں سما گئی ہے۔اس صورتِ حال میں ہمارے ادب اور خصوصاً مرثیے کو بین الاقوامی صورتِ حال کے مطابق ہونا چاہیے۔اب ہماری زندگی کا مدار تبدیل ہو رہا ہے۔اخلاقیات کی سرحدیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔معیشت کا جن بوتل سے باہر نکل آیا ہے اور ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقیوں نے انسانی ذہن کے معیارات کو مسمار کرنا شروع کر دیا ہے۔آیئے ایک نوخیز مرثیہ نگار کے خیالات سے آپ کو آگاہ کر دوں:

''اس حقیقت سے انحراف ممکن نہیں کہ عالمی ادب، پاکستانی ادب اور پاکستانی ادب میں رثائی ادب کے قارئین کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے۔مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ ہمارے تہذیبی تشخص کی بنیاد اب شعر و ادب پر نہیں بلکہ معیشت اور ٹیکنالوجی پر استوار ہے۔یہی سبب ہے کہ ایک طرف بین الاقوامی، قومی اور علاقائی کلچر اور دوسری جانب شخصیت کو تشکیل دینے والے بنیادی رجحانات کے پیچھے بھی یہی دو عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔نوّے فیصد سے زیادہ افراد پہلے ہی اس بات پر قائل ہیں کہ معیشت و ٹیکنالوجی سے تعلق خاطر نہ رکھنے پر انہیں

سماجی حیثیت اور مادی فوائد کے حصول میں شدید رکاوٹیں درپیش ہیں۔اب سوچنا یہ ہے کہ پاکستانی ادب اور پاکستانی ادب میں رثائی ادب کس کے لیے تخلیق کیا جائے؟''ادب برائے زندگی'' کا فلسفہ اچھا ہے مگر روزمرہ کاروبارِ حیات میں کہیں اس کی عملی شکل نظر نہیں آتی۔''ادب برائے ادب'' کا نظریہ بھی مشکل سے دوچار ہے کہ قارئین آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور نئی نسل ان کے اس عمل کو احسن گردان رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورتحال میں ہم''ادب برائے ادیب'' کے نظریے کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔''

اس صورتِ حال میں ہمارے سامنے مرثیہ کا مستقبل کیا ہے؟؟؟ کیا ہم محض انیسؔ و دبیرؔ یا کلاسیکی مرثیوں کے ذخیرہؔ کی بنیاد پر اکیسویں صدی کا سفر مکمل کر کے بائیسویں صدی میں عزت و احترام سے داخل ہو جائیں گے؟؟ یا ہمیں صنفِ مرثیہ کے مزاج و مذاق میں شعوری طور پر کچھ تبدیلیاں لانا ہوں گی؟؟ اس سلسلے میں میرا واضح اور دوٹوک مؤقف یہ ہے کہ ہمیں اجداد کے ورثے کا تحفظ کرتے ہوئے مرثیے میں جدید موضوعات کو ضرور شامل کرنا چاہیے اور اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بنانا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ مرثیے کی ہم عصر اصناف میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو بھی بغور دیکھنا چاہیے۔اس سلسلے میں راقم الحروف چند تجاویز پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔اُمید ہے کہ ناقدین، محققین اور دانش جُو حضرات ان تجاویز پر غور فرمائیں گے۔

۱۔مرثیے کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور اس میں ایسے موضوعات کو بطورِ خاص شامل کیا جائے جو اکیسویں صدی بلکہ بائیسویں صدی کے عین مطابق ہوں۔

۲۔جدید اور قدیم مرثیوں کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور مرثیوں کے متون کی صحت کا بطورِ خاص خیال رکھا جائے تاکہ یہ عظیم ورثہ تلف ہونے سے محفوظ ہو جائے اور درست متن قارئین تک پہنچ سکے۔

۳۔مرثیہ کے تحفظ اور فروغ کے لیے جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔مرثیہ اور مرثیہ نگاروں کے نام سے ویب سائیٹ بنائی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے مستفید ہوں۔

۴۔میڈیا کے ذریعہ سامعین اور ناظرین کو مرثیہ کی افادیت سے آگاہ کیا جائے اور مرثیوں میں موجود جدید رویوں کو اُجاگر کیا جائے۔

۵۔مرثیہ کے حوالے سے تعلیمی درس گاہوں اور خصوصاً یونیورسٹیوں میں، مذاکرے، سیمینارز اور سمپوزیم کا اہتمام کیا جائے۔

۶۔معروف محققین، ناقدین اور دانشوروں سے استدعا کی جائے کہ وہ اس صنف کے حوالے سے اپنے گراں قدر خیالات تحریری شکل میں پیش فرمائیں۔

۷۔مرثیہ کا مشرقی و مغربی اصناف سے موازنہ کیا جائے اور اس کے اختصاصی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔

۸۔نصاب سازی کے وقت مرثیوں کے مختلف اجزا شامل کیے جائیں اور ایم۔اے کی سطح پر مکمل مرثیے کا مطالعہ لازم قرار دیا جائے۔

۹۔مرثیہ کے حوالے سے کیے گئے اعتراضات کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان کے تشفی بخش جوابات مرتب کیے جائیں۔

۱۰۔مرثیہ کو صرف مسدس کی ہیئت کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اسے مرثیہ نگار پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی پسند کی ہیئت اختیار کرے۔

۱۱۔مرثیہ کو زندہ رکھنے کے لیے نئے سامعین اور نئے قارئین پیدا کرنے کے لیے جست و خیز کی جائے۔

۱۲۔جدید ذہن کے حامل نوجوان شعرا کو صنفِ مرثیہ کی جانب متوجہ کرنا ضروری ہے کہ اب اس قدیم صنف کو تازہ لہو کی بے حد ضرورت ہے۔

۱۳۔ایسی محافل اور مجالس کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے جس میں صرف اور صرف کلاسیکی اور جدید مرثیے پڑھے جائیں تاکہ سامعین میں مرثیے کی سماعت کا ذوق بیدار ہو جائے۔

۱۴۔مرثیہ خوانی کے فن کو تر و تازہ رکھنے کے لیے بزرگوں کی ہدایات کی روشنی میں نوجوانوں کو آمادہ کرنا چاہیے۔

۱۵۔معروف مرثیہ نگاروں کو جدید موضوعات یا صورتِ حالات دے کر ان سے مرثیہ لکھنے کی استدعا کی جائے تاکہ موضوعاتی مرثیوں کو فروغ حاصل ہو۔

۱۶۔معروف مرثیہ نگاروں کے نام سے ایوارڈز کا اجرا کیا جائے۔عصرِ حاضر کے بزرگ مرثیہ نگاروں کے اعزاز میں تقاریب کا اہتمام کیا جائے اور ان کی ہر ممکن دلجوئی کی جائے۔

۱۷۔مرثیہ کو کسی فرقے یا مذہبی گروہ سے متعلق نہ کیا جائے بلکہ ہر مذہب اور مسلک کے شاعروں کو اس صنف کی جانب متوجہ کیا جائے۔

۱۸۔اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے شعرا کو بھی آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی مادری یا قومی زبان میں مرثیے لکھیں۔

۱۹۔اُردو کے معروف و مقبول مرثیوں کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع کیے جائیں تاکہ دوسری زبانوں سے آشنا لوگ بھی اس صنف سے کماحقہٗ استفادہ کر سکیں۔

۲۰۔حکومت پر زور دیا جائے کہ وہ صنفِ مرثیہ کے لیے علیحدہ سرکاری ایوارڈ کا اعلان کرے۔اہم مرثیہ نگاروں کے نام سے ٹکٹ جاری کرے اور بڑی بڑی شاہراہوں کے نام اہم مرثیہ نگاروں کے ناموں سے منسوب کرے۔

۲۱۔بیرون ملک یونیورسٹیوں میں انیسؔ اور دبیرؔ کے نام سے چیئرز کا اعلان کیا جائے تاکہ وہاں کے طلبہ و طالبات بھی مرثیہ نگاروں سے آگاہ ہو سکیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اکیسویں صدی میں مرثیہ زندہ رہے گا؟؟ اس کا سادہ اور آسان جواب تو یہ ہے کہ جب تک حق و باطل کی آویزش جاری رہے گی اس صنف کا ارتقائی سفر اسی آب و تاب سے جاری رہے گا۔اگر بنظرِ غائر دیکھیں تو صنفِ مرثیہ میں مزاج اور ہیئت کے اعتبار سے اتنی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں کہ وہ اکیسویں صدی کے تقاضوں سے عہدہ برا ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ صنفِ مرثیہ کا مستقبل انتہائی روشن اور تابناک ہے۔اب چلتے چلتے حضرتِ قیصرؔ بارہوی کے مرثیے 'عظمتِ فن' کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

پڑھ لیجیے عبارتِ ایوانِ مرثیہ　　تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ　　صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

☆☆☆

گوشۂ اشفاق نجمیؔ

اشفاق نجمیؔ کی پیدائش ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ آپ کا خاندانی نام اشفاق حسین اور قلمی نام اشفاق نجمیؔ ہے۔ اشفاق نجمیؔ کا آبائی وطن حسین آباد کا مٹی ہے۔ اشفاق نجمیؔ کی پرورش آپ کے ماموں، مرثیہ گو اولاد حسین اطہر کے یہاں ہوئی۔ بقول ثقلین حیدر ''محترم اشفاق نجمیؔ ایک ایسے علمی، ادبی اور مذہبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں علمائے کرام اور شعرائے کرام کی بہت زیادہ آمدورفت رہی ہے۔ ظاہر ہے ایسے خوش گوار ماحول میں ان مہذب شخصیتوں کے آداب واطوار، تہذیبی اقدار، شیرینی گفتار، فصاحتِ زبان وبیان، شوکتِ لفظی، کمالِ فکروفن اور معیارِ شعروسخن سے ان کے دل ودماغ اور ذہانت وطبیعت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں شاعرانہ خوبیوں کے علاوہ عالمانہ نکات کی جھلکیاں بھی واضح طور پر نظر آتی ہیں''۔

اشفاق نجمیؔ نے پہلے سالکؔ لکھنوی اور بعد میں ماہرؔ لکھنوی سے استفادہ کیا۔ نجمیؔ کی وجہِ تسمیہ بیان کرتے ہوئے محققِ اعظم پروفیسر اکبر حیدر کاشمیری نے لکھا تھا ''نجمیؔ کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ اشفاق صاحب کو مشہور شاعر علامہ نجمؔ آفندی نے اپنی آغوشِ شفقت لے کر پیار کیا تھا''۔ اشفاق نجمیؔ کی اب تک چار کتابیں محفلِ معراج، تطہیرِ فکر، وادیٔ نجف اور دشتِ غزل منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اشفاق نجمیؔ نے ۷۰ سے زائد مرثیے کہے ہیں جن میں زیادہ تر سوز کے مراثی ہیں۔ ان کی دو کتابیں مراثی نجمیؔ جلدِ اول اور مراثیِ نجمیؔ جلدِ دوم جلد ہی شائع ہوں گی۔

مرثیہ

سفر میں شاہ کو صغریٰؑ کی یاد آتی ہے

سفر میں شاہؑ کو صغریٰؑ کی یاد آتی ہے (۱) دلِ حزیں پہ چُھری پر چُھری چلاتی ہے
غریب باپ کو تصویرِ غم بناتی ہے بلا کے دشت میں تقدیر لے کے جاتی ہے
نبیؐ کے لال پہ یہ کیسا وقت آیا ہے
کڑی ہے دھوپ جو سر پر تو دور سایا ہے

سحر ہو شام ہو بیٹی کے غم میں روتے ہیں (۲) کہ بہتے اشکوں سے رومال کو بھگوتے ہیں
تڑپ تڑپ کے محبت میں جان کھوتے ہیں سکون دن کو میسّر نہ شب کو سوتے ہیں
عجب علاجِ دلِ بے قرار کرتے ہیں
تصورات میں صغریٰؑ کو پیار کرتے ہیں

یہ سوچتے ہیں کہ صغریٰؑ کا حال کیا ہوگا (۳) گُلِ فسردہ کا رنگِ جمال کیا ہوگا
پدر کے چھٹنے کا رنج و ملال کیا ہوگا یہی ہے پیشِ نظر اک سوال کیا ہوگا
ذرا سی عُمر مین فرقت کے غم کو جھیلی ہے
بھرے مدینے میں صغریٰؑ بہت اکیلی ہے

لپٹ لپٹ کے وہ کہنا نہ جایئے بابا (۴) قصور کیا ہوا ہم سے ، بتایئے بابا
ہمارے حال پہ کچھ رحم کھایئے بابا نہ اِس مریض سے منھ کو پھرایئے بابا
قسم خدا کی جہاں سے گذر ہی جائیں گے
ہمیں نہ چھوڑ کے جاؤ کہ مر ہی جائیں گے
پدر سے ہم بھی محبت کمال رکھتے ہیں (۵) مسیح جان کے اپنا ، خیال رکھتے ہیں
تمہارے سامنے سب دل کا حال رکھتے ہیں مریض ہونے کا بے حد ملال رکھتے ہیں
دعا کریں تو ابھی تندرست ہوجائیں
تمہارے عشق میں کھوئے ہیں اور کھو جائیں
عزیز جان سے زیادہ پدر کو رکھتی تھی (۶) علیؑ کے لال کو لختِ جگر کو رکھتی تھی
جھکی جھکی سی ہمیشہ نظر کو رکھتی تھی عجیب یاس سے پیروں پہ سر کو رکھتی تھی
یہ کہنا شانِ کریمی دکھا دو اے بابا
کسی بھی ناقے پہ ہم کو بٹھا دو اے بابا
سفر کی ساری صعوبت اُٹھائیں گے ہم بھی (۷) کہ بھوک پیاس کی شِدت اُٹھائیں گے ہم بھی
خدا سے مانگ کے طاقت اُٹھائیں گے ہم بھی ہر ایک بارِ مصیبت اُٹھائیں گے ہم بھی
مرض سے گر ہمیں راحت نہ ہوگی اے بابا
کسی سے کوئی شکایت نہ ہوگی اے بابا
کلام بیٹی کا سن کر بہت ہی روئے تھے (۸) لگی تھی چوٹ جو دل پر بہت ہی روئے تھے
اگر تھے صبر کے پیکر ، بہت ہی روئے تھے دعائیں دے کے مکرّر ، بہت ہی روئے تھے
خدائے پاک دے توفیقِ صبر صغریٰؑ کو
شِفا نصیب ہو سب رنج و غم سے دُکھیا کو
تمہارے حق میں ہیں ہم بھی بہت دُکھی صغریٰؑ (۹) مگر اِسی میں ہے منشائے ایزدی صغریٰؑ
ہمیشہ پیشِ نظر رب کی ہو خوشی صغریٰؑ بہت قلیل ہے بابا کی زندگی صغریٰؑ
ہماری یاد میں دل بے قرار مت کرنا
نہ لَوٹ پائیں گے ہم انتظار مت کرنا
سُنو کہ لٹتے ہوئے گھر کو دیکھ پاؤ گی (۱۰) لہو میں قاسمؑ مضطر کو دیکھ پاؤ گی
رگڑتے ایڑیاں اکبرؑ کو دیکھ پاؤ گی سوالِ آب کے منظر کو دیکھ پاؤ گی
گلے پہ تیر کو کھا کر تڑپ رہا ہوگا
ہمارے ہاتھوں پہ اصغرؑ تڑپ رہا ہوگا

مرثیہ

داغ فرزند کا دنیا میں برا ہوتا ہے (۱) یہ وہی غم ہے جو ہر غم سے سِوا ہوتا ہے
ہوش کھو جاتا ہے اوسان خطا ہوتا ہے باپ کے واسطے پیغامِ قضا ہوتا ہے
ہم کو غربت میں نہ اِس طرح سے مارو بیٹا
پہلے تم قبر میں بابا کو اُتارو بیٹا

یہ وہی غم ہے جو انسان کو کھا جاتا ہے (۲) آنکھیں رو پڑتی ہیں طوفان اٹھا جاتا ہے
کالے بادل کی طرح زیست پہ چھا جاتا ہے بجلیاں خرمنِ دل پر یہ گرا جاتا ہے
سارے ارمانوں پہ پھر جاتا ہے پانی بیٹا
جب لہو منھ سے ، اُگلتی ہے جوانی بیٹا

دشتِ غُربت میں نہ اس طرح سے چھوڑو بیٹا (۳) بھائی منھ موڑ چکا ، تم تو نہ موڑو بیٹا
دل بہت ٹوٹ چکا اور نہ توڑو بیٹا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہوں میں جوڑو بیٹا
کیا تمھیں لگتا ہے اِس چوٹ کو سہہ پاؤں گا
ایک شیشے کی طرح ٹوٹ کے رہ جاؤں گا

میں پیمبرؐ کا نواسہ ہوں پیمبرؐ تو نہیں (۴) اور توانائی میں حمزہؑ نہیں جعفرؑ تو نہیں
ایک کمزور سا انسان ہوں حیدرؑ تو نہیں موم سا دل ہے مرے سینے میں پتّھر تو نہیں
صرف کچھ دیر میں دُنیا سے گزر جاؤں گا
تم کو دیکھوں گا نہ اکبرؑ تو میں مر جاؤں گا

تم تو ہو قدرتِ داور کی نشانی اکبرؑ (۵) شکل و صورت سے ہو تم احمدؐ ثانی اکبرؑ
خون سے لال ہو پوشاک نہ دھانی اکبرؑ خاک میں اپنی ملاؤ نہ جوانی اکبرؑ
کتنے ارمانوں سے پالا ہے تمھیں زینبؑ نے
جان سے بڑھ کے سنبھالا ہے تمھیں زینبؑ نے

رن میں جاؤ نہ قیامت کی تمنّا لے کر (۶) باپ کے عشق میں نصرت کی تمنّا لے کر
دل میں نیزے کی اذیت کی تمنا لے کر بعدِ عباسؑ ، شہادت کی تمنّا لے کر
سر کھلے زینبؑ دلگیر نکل جائے گی
سوئے مقتل مری ہمشیر نکل جائے گی

پہلے جاکر مری زینبؑ کو مناؤ اکبرؑ (۷) اپنی مادر کو بھی سینے سے لگاؤ اکبرؑ
پیار بہنوں کو کرو ناز اُٹھاؤ اکبرؑ پھر جو قسمت میں لکھا ہے وہ دکھاؤ اکبرؑ
الغرض جنگ میں تقدیر جواں پھوٹ گئی
ایسا نیزہ لگا سینے میں اَنی ٹوٹ گئی

شاہؑ چلّائے کہ دل پھٹتا ہے گھبراتا ہے (۸) ٹھوکریں کھاتا ہے شبیرؑ جدھر جاتا ہے
یہ ستم اور بھی کچھ ہم پہ ستم ڈھاتا ہے کوئی اکبرؑ ترے پُرسے کو نہیں آتا ہے
تیرے مرجانے کا کہہ کہہ کے فسانہ اکبرؑ
ہائے ہم روتے ہیں ، ہنستا ہے زمانہ اکبرؑ

گو کہ جاں کھو چکے اے جانِ برادر آؤ (۹) نہر کو چھوڑ کے غازی و غضنفر آؤ
میرے حمزہؑ مرے جعفرؑ مرے حیدرؑ آؤ تم کو امّاں کی قسم دوشِ ہوا پر آؤ
لاشِ اکبرؑ نہیں اُٹھتی ہے اُٹھائے عباسؑ
ہاتھ ٹوٹے ہیں کمر ٹوٹی ہے ہائے عباسؑ

وہ مہہ نو گیا آنکھوں کا ستارہ بھی گیا (۱۰) جس پہ تکیہ تھا ، وہی دل کا سہارا بھی گیا
جاں سے پیارا تھا جو مجھ کو وہی پیارا بھی گیا وہ مِلا داغ کہ سب ضبط کا یارا بھی گیا
میرے مالک مجھے اب وہ بھی سعادت دے دے
سب تجھے دے چکا تو مجھ کو شہادت دے دے

مرثیہ

آیا پئے رخصت جو وہ دلدارِ مدینہ (۱) افسردہ لحد میں ہوئے سرکارِ مدینہ
بے نور ہوئے سب در و دیوارِ مدینہ دم بھر میں خزاں ہوگیا گلزارِ مدینہ
دل تھام کے رتا ہے دل آرائے محمدؐ
لو کرب و بلا جاتا ہے شیدائے محمدؐ

سب اہلِ وطن لیتے ہیں بڑھ بڑھ کے بلائیں (۲) آنکھوں میں ہیں آنسو تو لبوں پر ہیں دعائیں
کرتی ہیں بُکا خاک اُڑاتی ہیں ہوائیں ہر سمت سے بس رونے کی آتی ہیں صدائیں
چہرے ہوئے ویران عجب دل پہ الم ہے
چھایا ہوا عالم پہ نبیؐ زادے کا غم ہے

شہؑ بولے چلو حج کی سعادت کریں حاصل (۳) اُس بیتِ الٰہی کی زیارت کریں حاصل
ہر سانس میں سو لطفِ عبادت کریں حاصل پر یہ نہیں مکّے کی سکونت کریں حاصل
معلوم مجھے منزلِ آخر کا پتہ ہے
وہ کرب و بلا کرب و بلا کرب و بلا ہے

ہاں حاجیوں کے بھیس میں آئے ہیں ستمگر (۴) ہتھیار لبادوں میں چھپائے ہیں ستمگر
دل سے بُتِ بیعت کو لگائے ہیں ستمگر اک ابرِ سیہ کی طرح چھائے ہیں ستمگر
اعدا ہیں تعاقب میں کہاں جائے گا شبیرؑ
کعبے میں بھی ہرگز نہ اماں پائے گا شبیرؑ

عمرہ کیا کعبے سے چلے سیّدِ ابرار (۵) منھ دیکھ کے بس رہ گئے عباسؑ علمدار
اِک بار ہوا قافلہ پھر ناقوں پہ اسوار ہر گام پہ تھی ایک نئی منزلِ دشوار
گہہ تازہ مصیبت ، کبھی آفت نظر آئی
شبیرؑ کو تمہیدِ قیامت نظر آئی

خوں آنکھوں سے رُلوا گئی مسلمؑ کی شہادت (۶) اک تازہ غضب ڈھا گئی مسلمؑ کی شہادت
دل شاہؑ کا بکھرا گئی ، مسلمؑ کی شہادت عباسؑ کو تڑپا گئی ، مسلمؑ کی شہادت
زینبؑ کا ہے نوحہ کہ اُٹھا بھائی کا سایا
غم کھا کے رنڈاپے کا رقیّہؑ کو غش آیا

آئے ہوئے مہمان پہ کب ظلم روا تھا (۷) مِلّت کے نگہباں پہ کب ظلم روا تھا
اِک صاحبِ ایمان پہ کب ظلم روا تھا مسلمؑ سے مسلمان پہ کب ظلم روا تھا
سر کاٹ کے کوٹھے سے گرائی گئی میّت
کھینچی گئی کوفے میں پھرائی گئی میّت

کہتی تھی رُقیّہؑ مہِ غُربت کے تصدّق (۸) سرتاج کی آفت کے مصیبت کے تصدّق
کوفے کے مُسافر کی شہادت کے تصدّق بے گور و کفن خوں بھری میّت کے تصدّق
لو توڑتی ہوں چوڑیاں رویا ہی کروں گی
بیوہ ہوئی اب مانگ میں افشاں نہ بھروں گی

پردیس میں مارے گئے مسلمؑ کے پسر بھی (۹) افسوس رُقیّہ کے وہ دو نورِ نظر بھی
شوہر کی طرح قتل ہوئے لختِ جگر بھی یاقوت سے خوش رنگ بھی نایاب گُہر بھی
فرماتے تھے کوفے میں ہمارا نہیں کوئی
اِک ماسوا طوعہ کے ہمارا نہیں کوئی

دو گل تھے عقیلی جو گلستاں سے چھٹے تھے (۱۰) دو طائرِ خش لحن دبستاں سے چھٹے تھے
دو نجم مہ و مہرِ درخشاں سے چھٹے تھے دو لال تھے جو باپ سے اور ماں سے چھٹے تھے
سانسوں کا بھی لینا ہوا دُشوار بلا میں
آوارہ وطن آ ہی گئے دام قضا میں

کیا کیا نہ ستم بچوں پہ ڈھائے گئے لوگو (۱) مُشکیں بندھیں ، دُرّے بھی لگائے گئے لوگو
حلقوم پہ خنجر بھی ، چلائے گئے لوگو اور لاشے بھی دریا میں بہائے گئے لوگو
دولت کی ہوس میں سوئے دربار چلا تھا
دو سر لیے ہاتھوں میں سِتم گار چلا تھا

مرثیہ

زینبؑ جو داغ عونؑ و محمدؑ اُٹھا چکی (۱) بیٹوں کو رزم گاہ کا دولھا بنا چکی
صدقے کی طرح گِرد اَخی کے پھرا چکی سجدے میں شکرِ حق کے جبیں کو جھکا چکی
رومال آنسوؤں سے بھگونے لگے حسینؑ
صورت بہن کی دیکھ کے رونے لگے حسینؑ

آتا ہے پھٹ کے منھ کو کلیجہ مری بہن (۲) بیٹوں کی موت پر بھی یہ سجدہ مری بہن
لب پر شکایتیں ہیں نہ شکوہ مری بہن کتنا ہے تم کو مجھ پہ بھروسہ مری بہن
غربت میں بھی حسینؑ پہ احسان کردیا
بھائی پہ اپنی نسل کو قربان کردیا

بھائی سے تم کو کتنی محبت ہے اے بہن (۳) ہر سانس بہرِ وقفِ رفاقت ہے اے بہن
مادر کے جیسی واقعی شفقت ہے اے بہن پیشِ نظر غریب کی غربت ہے اے بہن
عبداللہؑ جری سا نگہدار چھوڑ کر
کرب و بلا میں آگئیں گھر بار چھوڑ کر

تم نے لیا تھا عقد میں اقرار اے بہن (۴) عبداللہؑ سخی سے بہ اصرار اے بہن
دیں دار سے یہ وعدۂ دیندار اے بہن ہر حال میں رہو گی مددگار اے بہن
بھائی کے ساتھ سایۂ ہمشیر جائے گا
زینبؑ بھی جائیگی جہاں شبیرؑ جائے گا

مظلومیت نثار وہ مظلوم ہو بہن (۵) بھائی کی طرح خاصۂ قیوم ہو بہن
آب و غذا سے دشت میں محروم ہو بہن کتنی ہی ساتھ گردشِ مقسوم ہو بہن
مجھ کو یقیں ہے حق سے کبھی منھ نہ موڑو گی
غربت میں تم حسینؑ کو تنہا نہ چھوڑو گی

سوکھی ہوئی زباں بھی ہے چہرہ بھی زرد ہے (۶) آنکھوں میں اشک خوں ہے تو سینے میں درد ہے
چہرے پہ سب اُڑی ہوئی میداں کی گرد ہے چوبیسواں پہر ہے نہیں آبِ سرد ہے
مجھ کو تمہاری پیاس کا احساس ہے بہن
لیکن خیالِ بازوئے عباسؑ ہے بہن

کرب و بلا ہے آخری منزل حسینؑ کی (۷) اس جا پہ ختم ہوئیگی مشکل حسینؑ کی
تشنہ لبی پہ روئیگا ساحل حسینؑ کی جاں لے گا یاں پہ خنجرِ قاتل حسینؑ کی
خالق گواہ فاطمہؑ کے نور عین کی
زینبؑ یہیں پہ قبر بنے گی حسینؑ کی

سُن کر یہ بات زینبِؑ ناشاد کا ہے بین (۸) لو الوداع ہوتا ہے زہرؑا کا نورِ عین
جاتا ہے قتل گاہ میں حیدرؑ کے دل کا چین لوگو یتیم ہوتی ہے لو ، خواہرِ حسینؑ
چادر سے ہاتھ دھوئیگی زینبؑ اخی کے بعد
بے تیغ قتل ہوئیگی زینبؑ اخی کے بعد

عاشور کا یہ روز ہے محشر سے بھی سوا (۹) زینبؑ کے سر پہ وارثِ زینبؑ نہیں رہا
اپنے خدا سے جا ملا وہ بندۂ خدا لو آج بے حسینؑ ہوئی بنتِ فاطمؑا
اُڑتی پھرے ہے چار طرف خاک اُٹھ گیا
سر پر سے ظلِّ پنجتنِ پاک اُٹھ گیا

نجمیؔ جو ماں سی چاہنے والی بہن ملی (۱۰) بھائی کے غم میں شام و سحر پُر محن ملی
سائے کی طرح ساتھ غریب الوطن ملی بعدِ حسینؑ شانوں کو جس کے رَسن ملی
ہے سر برہنہ حق کے فدائی کی لاش پر
زہرؑا کی طرح روتی ہے بھائی کی لاش پر

مرثیہ

لکھتا ہوں مرثیہ علی اکبرؑ کے حال کا (۱) نورِ نگاہِ عاشقِ داور کے حال کا
لیلیٰ کے ماہتاب مَنّور کے حال کا الختصر شبیہِ پیمبرؐ کے حال کا
گلزارِ اہلِ بیتؑ کا یہ ایسا پھول تھا
سایہ اگر نہ ہوتا تو بالکل رسولؐ تھا

مظلومِ کربلا کے گلِ تر کا مرثیہ (۲) مولائے صبر و شکر کے دلبر کا مرثیہ
قتلِ جری و قتلِ دلاور کا مرثیہ ڈوبا ہوا لہو میں ہو اکبرؑ کا مرثیہ
نیزہ لعیں کا ظلم کے صحرا کا خار تھا
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کے کلیجے کے پار تھا

یوسفؑ سے بھی حَسین تھا وہ یوسفِ حسینؑ (۳) یکتا تھا اپنے حُسن میں سرورؑ کا نورِ عین
لیلیٰؑ کے دل کی آس تھا زینبؑ کے دل کا چین بیت الشّرف کی جس سے دوبالا تھی زیب و زین
پایا علیؑ کا نام ، سراپا رسولؐ کا
اٹھارواں تھا سال کہ میں تھا بتولؑ کا

لکھا ہے کربلا کے مقاتل میں جابجا (۴) زلفیں نبیؐ سی رکھتا تھا لیلیٰؑ کا دلربا
زینبؑ کی پاک گود میں پل کر بڑا ہوا کرتے تھے جس سے پیار بہت شاہِؑ کربلا
جس کی ادا ادا پہ جوانی نثار تھی
صورت پہ جس کی جلوہ فشانی نثار تھی

میدانِ حرب و ضرب میں جس کا نہ تھا جواب (۵) جس کے جلال میں تھا جلالِ ابوترابؑ
فوجوں کے دَل میں بن کے چمکتا تھا آفتاب کاٹی تھی جس کی تیغ بھی سرہائے بے حساب
کرار تھا جری تھا شجاع و دلیر تھا
عباسؑ نامور کی نگاہوں میں شیر تھا

مانگا جو اذن گیسوؤں والا حسینؑ کا (۶) ناز و نعم کی گود کا پالا حسینؑ کا
آنکھوں کا نور دل کا اُجالا حسینؑ کا گونجا کچھ اور دشت میں نالا حسینؑ کا
گیتی ہلی جہاں کی فضائیں بدل گئیں
گھبرا کے خیمہ گاہ سے زینبؑ نکل گئیں

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولا وہ خوش خصال (۷) تم تو امامؑ وقت ہو اے فاطمہؑ کے لال
بس صبر کیجئے گا پئے ربِ ذوالجلال ڈرتا ہوں کھول دے نہ پھوپھی اپنے سر کے بال
تم کو قسم نہ شاہِؑ عرب دیر کیجئے
اکبرؑ کی رخصتی میں نہ اب دیر کیجئے

شہؑ نے کہا کہ جاؤ پھوپھی سے کرو کلام (۸) والی تمہاری ہے وہی اے میرے لالہ فام
وہ دے رضا تو خوب کرو رن میں اپنا نام تسلیم کر کے بولا وہ اے خواہرِ امامؑ
دو اذن گرم موت کا میدان ہے بہت
ہم کو بھی سر کٹانے کا ارمان ہے بہت

زینبؑ یہ بولی تم ہو مرے باغ کی بہار (۹) سو جاں سے تم پہ عونؑ و محمدؑ ہوئے نثار
چھینو مرا سکون ، نہ چھینو مرا قرار پہلے سے غم نصیب ہوں اے میرے گُل عذار
روؤں گی زار زار گریباں کو پھاڑ کے
اکبرؑ نہ جاؤ تم مری دنیا اُجاڑ کے

دولھا تمہیں بنانے کی حسرت ہی رہ گئی (۱۰) گھر میں دُلھن کے لانے کی حسرت ہی رہ گئی
کبریٰؑ کو نیگ پانے کی حسرت ہی رہ گئی لیلیٰؑ کو مسکرانے کی حسرت ہی رہ گئی
صغریٰؑ ہے بے قرار مدینے میں آج بھی
ہے محوِ انتظار مدینے میں آج بھی

اکبرؑ کی رخصتی میں یہ کہرام ہے بپا (۱۱) لیلیٰؑ ہے بے حواس تو زینبؑ ہے بے رِدا
کبریٰؑ لپٹ کے سینے سے روکے ہے راستہ اٹھارہ بار خیمے کا پردہ اُٹھا ، گرا
آلِ نبیؑ کا دل نہ سنبھالے سنبھلتا ہے
گویا جواں پسر کا جنازہ نکلتا ہے

اشکوں کو پونچھتا ہوا نکلا وہ مہ لقا (۱۲) زلفوں میں انتشار تھا چہرہ سُتا ہوا
سوئے عقاب بڑھنے لگا جب وہ دل رُبا سینے کو اپنے پیٹ کے ، شبیرؑ نے کہا
دیکھو قسم ہے آپ کو مڑ مڑ کے دیکھنا
بیٹا ضعیف باپ کو مڑ مڑ کے دیکھنا

پہنچا سپاہِ شام میں جب اکبرِؑ جواں (۱۳) تلوار گر رہی تھی سروں پہ کہ بجلیاں
میدان میں تھا خون کا دریا رواں دواں گونجا ہوا فضاؤں میں تھا شورِ الاماں
نظروں میں چبھ رہا تھا وہ الماس کی طرح
بپھرا تھا شیر دشت میں عباسؑ کی طرح

ہے ہے غضب کی دھوپ تھی ہے ہے بلا کی دھوپ (۱۴) آلِ رسولِؐ پاک کے حق میں قضا کی دھوپ
محشر کی دھوپ سے بھی سوا کربلا کی دھوپ بس انتہا کی دھوپ تھی بس انتہا کی دھوپ
مثلِ حباب چھالے تھے دریا کے آب میں
اکبرؑ کو پیاس مار رہی تھی شباب میں

ابنِ انس نے چھپ کے سناں سے کیا جو وار (۱۵) چاروں طرف نگاہوں میں اڑنے لگا شرار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا وہ جگر فگار زہراؑ کا اور رسولؐ کا ہلنے لگا مزار
اکبرؑ نے دی صدا مرے دل کا پیام لو
بابا سلام لو مرا بابا سلام لو
آواز سُن کے جب ہوئے میداں چلے حسینؑ (۱۶) آنکھوں کو دونوں ہاتھ سے ملتے ہوئے حسینؑ
آگے کبھی بڑھے ، کبھی پیچھے ہٹے حسینؑ سَتر جگر پہ ٹھوکریں کھا کر گرے حسینؑ
تب پہنچے اس جگہ جہاں اکبرؑ تڑپتے تھے
لے لے کے نام سبطِ پیمبرؐ تڑپتے تھے
رو کر کہا حسینؑ نے اکبرؑ ہے کیسا حال (۱۷) دھیرے سے بولے ہے کرمِ ربِّ ذوالجلال
بابا سناں ہے سینے میں جس سے ہے جاں نڈھال کھینچا جو شہؑ نے یا علیؑ کہہ کر بصد ملال
سینے سے گرم خون کا چشمہ اُبل پڑا
برچھی کے ساتھ ساتھ کلیجہ نکل پڑا
ہے ہے یہ امتحاں ہے قیامت کا امتحاں (۱۸) مثلِ خلیلِؑ پاک ہے آفت کا امتحاں
یعقوبؑ سے سِوا ہے مصیبت کا امتحاں اکبرؑ کی اور شاہؑ کی فرقت کا امتحاں
ٹوٹی ہوئی کمر پہ بھی تنہا اُٹھائیں گے
پیری میں نوجوانی کا لاشہ اُٹھائیں گے

❁❁❁❁

دبیرؔ کے مرثیے (جلد ۳)

(شائع ہوگئی ہے)

ترتیب وتدوین: اصغر مہدی اشعر

سلام

ضامنؔ جعفری

انیسؔ کی ہے زمیں گو قدم بچا کے چلے
قدم قدم پہ گرے اور لڑکھڑا کے چلے

لبوں پہ ذکرِ حسینؑ اور آنکھ میں آنسو
یہ کائنات ہے جو لے کے ہم خدا کو چلے

جو چاہیے درِ آلؑ عبا سے کیجیے طلب
یہ لوگ وہ ہیں کہ کام ان سے انبیاؑ کے چلے

قضا نہ اُلجھے مُحِبانِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ
ہمارے ساتھ کہاں پینترے فنا کے چلے

نیا زمانہ ہے قدریں بچایئے ضامنؔ
’’چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے‘‘

دوقطعات

طفلی کا زور کلّۂ اژدر سے پوچھیے
عہدِ شباب قلعۂ خیبر سے پوچھیے
دنیا میں گر کسی کا نہ ہو اعتبار تو
جبریلؑ سے اور ان کے کٹے پر سے پوچھیے

کبھی آغوشِ احمدؐ میں کبھی ہیں ان کے بستر پر
کبھی پشتِ فرس پر ہیں کبھی دوشِ نبیؐ پر ہیں
بہت سے روپ ہیں مولودِ کعبہ کے مگر ضامنؔ
اہم یہ ہے مبصر کس مقامِ آگہی پر ہیں

سلام

اختر آصف زیدی

صورتِ قرطاس پر لفظوں کے تیور دیکھنا
کلکِ شبرؑ میں مزاجِ تیغِ حیدرؑ دیکھنا

صلح نامہ ، شرط نامے میں۔ بدلتا دیکھ کر
آمرانِ وقت کے چہرے سنبھل کر دیکھنا

تیغ کی جولانیاں دِکھلا چُکے صفیّن میں
اب جو تحریراً مرتب ہے وہ لشکر دیکھنا

جانشینِ مُوجدِ نہج البلاغہ کی لغت
لفظ کے دریا ، معانی کے سمندر دیکھنا

چہرۂ شبرؑ کی جانب ، دشمنِ عقل و خرد
آنکھ بھر کر دیکھنا۔ ہوجائے دوبھر دیکھنا

بازوئے قاسمؑ سے اک تعویذ کو کھلنے تو دو
اِس نیامِ وقت میں شمشیرِ شبرؑ دیکھنا

چاند کے اطراف سے ہٹ کر بھی آصفؔ اک نظر
دلبرِ زہراؑ کے در پر آ کے اختر دیکھنا

❁❁❁❁

تعزیت بر انتقال علّامہ رشید ترابی

باقرؔ امانت خانی

(علّامہ رشید ترابی کے انتقال پر کہی جانے والی مسدس جو آج تک شائع نہ ہوسکی)

اب چل بسا جہان سے مستِ مئے غدیر — کرتی ہے آہ خامۂ افکار کی صریر
ملتی نہیں رشیدؔ ترابی کی اب نظیر (۱) آواز دے رہا ہے یہ پیہم میرا ضمیر
شاعر تھے رہنما تھے ذکی تھے ادیب تھے
وہ ایک طرزِ خاص کے تنہا خطیب تھے

آئینۂ بیاں میں کیا حق کو آشکار — زورِ بیاں کو اُن کی زباں پر تھا اختیار
چلتی ہوئی زباں پہ رہا ظلِّ ذوالفقار (۲) تقریر تھی دلائلِ حقّہ سے استوار
بسمل کو بھی پسند تھی پیکار تیغ کی
اُن کا بیانِ حق تھا کہ جھنکار تیغ کی

ذکرِ حسینؑ سُن کے ہوئے بے قرار دل — کھنچتے تھے حُسنِ نطق پہ بے اختیار دل
اک دل کے ساتھ روتے رہے صد ہزار دل (۳) مجلس میں اُن کا ہوتا تھا جب اشکبار دل
اشکِ عزا میں نوحؑ کے طوفاں کا زور تھا
مجلس کا شور تھا کہ قیامت کا شور تھا

میزانِ وزنِ آہ و فغاں اُن کی مجلسیں — تھیں درسگاہِ حُسنِ بیاں اُن کی مجلسیں
زہراؑ کی آہِ دل کا دھواں اُن کی مجلسیں (۴) مقتولِ شہؑ کے زندہ نشاں اُن کی مجلسیں
اُن کے لیے تھا وجہِ بقا غم حسینؑ کا
تھیں نبض ہی کی جنبشیں ماتم حسینؑ کا

دل میں تھی شمعِ اجرِ رسالت کی روشنی — آنکھوں میں تھی غدیر مودت کی روشنی
غائب ہے اُن کے ماہ خطابت کی روشنی (۵) تھی وقتِ نزع روئے امامت کی روشنی
دوشیزۂ ممات کے آنچل میں چھپ گیا
مجلس کا چاند موت کے بادل میں چھپ گیا

تھے مفتخر عطائے خدا کے وفور سے پایا مقام فکر و نظر کے شعور سے
ہر سال بزمِ شامِ غریباں کے طور سے (۶) آواز وہ سناتے تھے ہم کو بھی دور سے
خیموں کے شعلے رو کے یہاں ہم بجھاتے تھے
مرحوم کے بیان پہ آنسو بہاتے تھے

بزمِ عزا میں اُن کی عجب طرزِ بین تھی تائید التفاتِ شہِؑ مشرقین تھی
نعمت ہی حبِ فاتحِ بدر و حنین تھی (۷) کعبہ تھا قلب قلب میں یادِ حسینؑ تھی
قبرِ حسینؑ قلب حزیں میں بنائی تھی
کعبے میں کربلائے معلٰی بسائی تھی

اُن کا بیاں کلام کی تفسیر بن گیا اُن کا بیاں فسانۂ شبیرؑ بن گیا
اُن کا بیاں کلام کی تفسیر بن گیا (۸) اُن کا بیاں صحیفۂ تقریر بن گیا
لفظوں میں نقشہ کھینچتے تھے شہؑ کے حال کا
کرتے تھے ذکر مصحفِ ناطق کے لال کا

لے کر گئے ہیں قلب پہ یہ داغِ شاہِؑ دیں منبر پہ گو نہیں ہیں جناں میں ہیں بالیقیں
طرزِ ادا میں اُن کا بدل اب کوئی نہیں (۹) ہیں بوترابی تجھ کو تو معلوم ہے زمیں
اُن کو نہ ہو فشار کہ اہلِ صواب ہیں
پہچان لے گدائے درِ بوترابؑ ہیں

تھا اُن کو نازشانِ عطائے حسینؑ پر تکیہ کیے ہوئے تھے عزائے حسینؑ پر
دی جان اپنی راہِ ولائے حسینؑ پر (۱۰) سانسیں چلی ہیں اُن کی رضائے حسینؑ پر
اُٹھے ہیں مومنوں کی مصیبت کے روز ہی
آئی اجل رضاؑ کی شہادت کے روز ہی

اُن پر نزولِ فضلِ الٰہی ضرور تھا قرآن اور حدیث پہ کامل عبور تھا
اُن کو کلیمِ مدحِ علیؑ کا شعور تھا (۱۱) منبر نہیں تھا ذکرِ حسینیؑ کا طور تھا
اُن کے تصورات تھے حق کی پناہ میں
رکھا تھا نور حیدریؑ دل کی نگاہ میں

دل حُبِ بوترابؑ کے سانچے میں ڈھل گیا مرقد میں ساتھ اُن کے بس اُن کا عمل گیا
آئی قضا ، حیات کا نقشہ بدل گیا (۱۲) دیکھا علیؑ کو نزع میں اور دم نکل گیا
دیکھو فرشتو غور سے تنویرِ مرتضیٰؑ
آنکھوں میں اُن کی ہے ابھی تصویرِ مرتضیٰؑ

منبر پہ بیٹھ کر جو ہوئے دل نشیں اُٹھے
لے کر جہاں سے داغِ غمِ شاہِؑ دیں اُٹھے
دنیا سے یہ رشیدؔ ترابی نہیں اُٹھے
آلودہ کر کے خاکِ نجف سے جبیں اُٹھے (۱۳)
آئی اجل حیات کا نقشہ مٹا گئی
اک دورِ ذاکری تھا جسے موت آ گئی

یہ منفرد کتاب خطابت کے تھے ورق
دیتے رہے زبانِ تکلّم سے یہ سبق
ہجری کا سال غم نہ ہو کیوں باعثِ قلق (۱۴)
اب چل بسے رشیدؔ ترابی محبِّ حق
۱۳۹۳ھ
قدرت کا اُن کی سمت جو پیکِ اجل گیا
دنیا سے ذاکری کا جنازہ نکل گیا

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کی ایک اور پیشکش

مونسؔ کے مرثیے (جلد ۱ تا جلد ۳)

ترتیب وتدوین: اصغر مہدی اشعر (زیرِ طبع)

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کی ایک اور پیشکش

اشاریۂ میر انیسؔ

(زیرِ طبع)

ترتیب تدوین
اصغر مہدی اشعر

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کی ایک اور پیشکش

اشاریۂ مرزا دبیرؔ

(زیرِ طبع)

ترتیب تدوین
اصغر مہدی اشعر

سلام

کلیمؔ ظفر

یہ کیا کہ شکوۂ تیرہ شبی کرے دنیا
جلا کے شمعِ عزا روشنی کرے دنیا

اذانِ حلقۂ ماتم سنے جو ہو بیدار
نمازِ شوق پڑھے بندگی کرے دنیا

جواب ایک ہی ہے ہر نظامِ باطل کا
سخی حسینؑ کی بس نوکری کرے دنیا

عوض میں کچھ بھی غمِ شہؑ کے گر یہ پیش کرے
کرو نہ بات بھی گر بات بھی کرے دنیا

مقابلے میں شہِؑ دیں کے اس کے پاس ہے کیا
ہے کچھ تو موت کو پھر زندگی کرے دنیا

نظر میں ہیں مری ہر آن حرؑ کے نقشِ قدم
کرم کرے نہ مری رہبری کرے دنیا

نہ ہو گا کم کبھی رزقِ وفا زمانے سے
علیؑ کے لال کی گر حاضری کرے دنیا

غضب کہ جن کے تصدّق میں ہے ہر اک نعمت
انہیں کو لوٹ کے دنیا کھری کرے دنیا

ہمیں تو بالی سکینہؑ ہی یاد آتی ہے
کسی کو قید کرے یا بری کرے دنیا

کلیمِ آلؑ ہو تم تم گمان بھی نہ کرو
نہ خوں رلائے تمھیں دلبری کرے دنیا

❀❀❀

میر انیسؔ کی Cinematography

عادل مختار

میر انیسؔ کی وفات ۱۸۷۴ء میں ہوئی اور ۱۸۸۸ء میں دنیا کی سب سے پہلی موشن پکچر شوٹ کی گئی اور کمرشل فلم اور پھر جدید سینما کا دور بہت بعد کا ہے مگر جب ہم انیسؔ کے مرثیوں کا دقت سے مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انیسؔ میں ایک جدید cinematographer کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ ایک اچھی cinematography کا مطلب ہے ایک بہت ہی خوبصورت اور ہائی کوالٹی کی مووی بنانا مگر جدید cinematography سے وابستہ لوگ اس بات سے نہ صرف اتفاق نہیں کرتے بلکہ اسے آرٹ کے خلاف بھی قرار دیتے ہیں. جدید cinematographers کے مطابق خوبصورت اور ہائی ریزولوشن آرٹ نہیں بلکہ cinematography ایسے تخلیقی عکس سے متعلق ہے کہ جو بیانیے کو تقویت دینے کے ساتھ ساتھ ناظرین کو ایک جذباتی تجربہ فراہم کرے اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں انیسؔ کا اس حوالے سے شعور اس قسم کا نظریہ رکھنے والے جدید cinematographer کی طرح محسوس ہوتا ہے کہ جب انیسؔ اپنے ایک مرثیے کی خاص فضا قائم کرتے ہوئے مناظر کو اس انداز سے تخلیق کرتے ہیں کہ جس سے اس مرثیے کے بیانیے کو بھی تخلیقی قوت ملتی ہے اور جس شخصیت کا مرثیہ ہوتا ہے اس سے متعلق خاص جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جذبات ابھارنے سے مراد یہ نہیں کہ میر انیسؔ کو فقط جذباتی مناظر کی تصویر کشی کرنے والا کیمرہ مین سمجھ لیا جائے۔ ایک کیمرہ مین اور cinematographer میں فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ ایک cinematographer ہدایت کار جیسا تخلیقی اثر ورسوخ رکھتا ہے اگر چہ یہ کرداروں کی نہیں بلکہ بصری عناصر کی ہدایت کاری کرتا ہے اور اس مقام پر انیسؔ کا آرٹ اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انیسؔ مرثیہ نگار ہے اور اس باب میں مقاتل اور تاریخ کے ہوتے ہوئے واقعہ کربلا کے کسی کردار کی ہدایت کاری نہیں کی جا سکتی البتہ بصری عناصر کا تخلیقی انتخاب، ایفیکٹ اور اس کا مطلوبہ تأثر پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام تر تخلیقی صلاحیت بروئے کار لائی جا سکتی ہے اور انیسؔ نے اس مقام پر کامیابی سے اپنے تخلیقی شعور کا اظہار کیا ہے۔

عموماً جب بھی میر انیسؔ کی منظر نگاری پر بات کی جاتی ہے تو ان کے تخلیق کیے ہوئے مناظر کی خوبصورتی یا حقیقت نگاری کو ثابت کیا جاتا ہے اور سراہا جاتا ہے مگر محض خوبصورتی کا اظہار ہی انیسؔ کا مقصد نظر نہیں آتا بلکہ اس سے بڑھ کر وہ امیجز کو اپنے Narrative کی طاقت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اسی طرف ''Silence'' پر آسکر کے لیے نامزد معروف سینیمیٹوگرافر Rodrigo Prieto توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم جذبات کی بنیاد پر استوار کہانیاں امیجز کے ذریعے سنا رہے ہیں۔ یہ (cinematography) محض خوبصورت تصویریں بنانا نہیں۔ میرا خیال ہے یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کوئی cinematography اس لیے اچھی ہے کیونکہ وہ خوبصورت ہے''۔

ڈاکٹر وزیر آغا اپنے مقالے ''میر انیسؔ اور صبحِ عاشور'' میں لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ کے مراثی میں صبحِ عاشور کے متعدد پہلوؤں کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ایک پہلو تو رات اور اس کے کرداروں کی شکست و ریخت سے متعلق ہے اور دوسرا شگفتنِ حیات کی ساری تمثیل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار کُو کُو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

اور اس مقالے کے آخر میں نتیجہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ نے صبحِ عاشور کی علامتوں کے ذریعے اس قربانی کے جملہ مراحل کو بڑے فنکارانہ حُسن کے ساتھ پیش کیا ہے؛ یعنی پہلے تو صبح کی روشنی باطل کی قوتوں کو زیر پا لاتی ہے؛ پھر انھیں ملیامیٹ کرتی ہے اور اپنے اس عمل سے دنیا کے داغ دھبوں کو دھو کر ایک جہانِ نو کو وجود میں لے آتی ہے اور آخر میں انسان کے اندر بدی کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ میر انیسؔ نے ارادی طور پر صبحِ عاشور کی پیشکش سے معرکہ کربلا کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی، مقصد یہ کہ انتہائی جذب کی حالت میں جب ان کا کلام عبادت کی سطح پر آ گیا تو اس میں از خود صداقت کو گرفت میں لینے کی سکت پیدا ہو گئی''

یہ بات نہایت توجہ طلب ہے کہ انیسؔ نے مقتل میں قدم رکھا ہے اور ایک ایسی جنگ اور تباہی کو رقم کرنے والے ہیں کہ جو انسانی روح کو جھنجھوڑ کے رکھ دے مگر اس سے پیشتر مرثیے کی ابتدا میں ان خوبصورت مناظر یا مناظر کو اس خوبصورتی کے ساتھ قلم بند کرنے کے کیا معنی؟ کیا یہ کسی غیر شعوری واردات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ مرثیے کے موضوع اور بیانیے سے الگ اور زائد شے ہے؟ نہیں انیس جیسے فنکار پر ایسا گمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس طرح آج کی خالصتاً آرٹ پکچر کے ابتدائی مناظر کو ایک تخلیقی ذہن رکھنے والا cinematographer کہانی کے بیانیے کی مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے، انیسؔ بھی اسی طرح خیر و شر کے میدانِ کارزار کی صبح کو اپنے بیانیے کی طاقتور بنیاد

بناتے ہیں۔

لہٰذا میدانِ کربلا میں جو کہ میدانِ قیامت بننے والا تھا صبحِ عاشور کا منظر انیسؔ نے غیر شعوری نہیں بلکہ شعوری طور پر تخلیق کیا اور یہ منظرِ صبح انیسؔ کے بیانیے پر استوار مرثیے کے تمام سٹرکچر کی ہی اکائی اور بنیاد ہے۔ اور یہ بات خود ڈاکٹر وزیر آغا کے تجزیہ سے ثابت ہوتی ہے۔

کربلا موضوعات، احساسات اور مناظر کا ایک انبار ہے اور انیسؔ نے جن امیجز اور جن مناظر کا انتخاب کیا ہے اور جس طرح انھیں تخلیق کیا ہے میں اسے ''تخلیقی انتخاب'' کہوں گا جس طرح ایک cinematographer اپنی تخلیقی فکر کی بنیاد پر کہانی کے context کے لحاظ سے مناظر کے انبار سے خاص امیجز کو فوکس کرتا ہے اسی طرح انیسؔ کے ہاں بھی مخصوص امیجز ہیں جو ان کے مرثیوں کے context کے لحاظ سے ان کی فکری اور تخلیقی اپروچ کا پتا دیتے ہیں۔ معروف سینیمیٹو گرافر Caleb Deschanel جو "The Passion of the Christ" پر آسکر کے لیے نامزد بھی ہوئے، اس باب میں فرماتے ہیں:

''میں باہر جاؤں اور سورج کے طلوع کے خوبصورت منظر کو یا کسی بہت ہی شاندار امیج کو شوٹ کروں اس سے بڑھ کر میں ان چیزوں کو شوٹ کرتا ہوں جو اتنی دلچسپ تو نہیں ہوتیں مگر وہ کسی خاص احساس کی تجسیم ہوتی ہیں اور وہ احساس فلم کے context کے لحاظ سے بہت ہی قوی واقع ہوتا ہے''

لہٰذا انیسؔ کے امیجز اور مناظر کو ان کا جذب یا فطرت پرستی نہیں سمجھنا چاہیے، یا اس کے علاوہ انہیں محض ایک اچھا کیمرہ مین نہ سمجھا جائے بلکہ ان تمام تخلیقات میں ان کا بھرپور تخلیقی شعور کارفرما ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے مرثیوں میں بہت سے ایسے مناظر اور امیجز ہوتے جو ان کے مرثیے یعنی وہ کربلا جو انیسؔ دکھانا چاہتے ہیں اس میں نامناسب پیوند کی طرح دکھائی دیتے اور ایسا ظاہر ہے کہ خلافِ واقعہ دکھائی دیتا ہے۔ ذیل میں میر انیسؔ کے چند ایسے بند پیش کیے جا رہے ہیں جن میں پیش کیے گئے امیجز سے انیسؔ کے بیانیے کی قوت، فکر اور تخلیقی شعور کا اظہار ہو رہا ہے اور انیس کے اس تخلیقی انتخاب کے پیچھے وہی سوچ کار فرما ہے جو آج کے کسی بھی جدید، سنجیدہ اور تخلیق کار cinematographer کی ہوسکتی ہے۔

امام حسینؑ کی جنگ کے احوال میں لکھتے ہیں:

شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ　　لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ　　ناناؐ کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

اس بند کی بیت انیسؔ کے فکری شعور اور امامؑ کی معرفت پر مبنی تخلیقی انتخاب ہے کہ اگر چشمِ باطن سے کسی طرح سکرین پر آجائے تو کسی بھی انسان کے دھڑکتے ہوئے دل کو اپنی گرفت میں لے لے۔

جب مذکورہ بند کے امیج سے انسان امامؑ سے آشنا ہوتا ہے اور امامؑ کے بارے ایک ہمدردی کا یا الفت کا احساس پیدا ہوتا ہے تو اسی مرثیے

کے ذیل میں دیے بند کے امیج سے وہ احساس اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

کی شہؑ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیرِ سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جُو سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِؑ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سُرخ تھے سیّد کے لہو سے

اس بند میں ایسا صاف دکھائی دے رہا ہے کہ انیسؔ نے امامِ مجروح کے زخمی اعضاء کو کس خاص ترتیب اور فوکس کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار بازو میں در آیا تبرِ خولیء خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

پہلا بند اور خاص طور پر اس دوسرے بند کے امیجز ایسا مواد رکھتے ہیں کہ جو کربلا پر بننے والی موویز کے لیے نہایت اہم مواد کے حامل ہیں۔
ایک جگہ انیسؔ نے کمال مہارت سے ایک امیج تخلیق کیا اور وہ ہے ترائی پر جنگ کے دوران حضرت عباسؑ کی تلوار کا عکس، ملاحظہ فرمائیں:

گورا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک تھی صاف تیغِ حیدرِ کرّار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی دھار کی چمک اس پار تک پہنچتی تھی اس پار کی چمک

یہ موجوں پہ دھار کا عکس ایک ایسا امیج ہے جو آج کے اس جدید دور میں بھی کسی رزمیہ فلم میں نظر سے نہیں گزرا۔ اگر علمدارِ کربلا پر کسی فلم میں اس بند سے استفادہ کیا جائے تو ایک نہایت حسین تخلیق ثابت ہوگی۔

اسی مرثیے کا حضرت عباسؑ کی شہادت پر ایک بند ملاحظہ فرمائیں کہ جس کے امیجز نہ صرف انتہائی کرب ناک ہیں بلکہ یہ ایک طرح کی ''بصری رثاء'' کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہیں:

شانے سے یوں ابل کے بہا خوں کہ الاماں تیورا کے جھومنے لگے عباسِؑ نوجواں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

کیا اس بند کے امیجز سے بڑھ کر ایک آفاقی آڈیئنس کے لیے اس مقام پر کوئی اور مواد بیانیے کے قوی ترین اظہار کے لیے کارگر ہو سکتا ہے؟ آج جس سطح پر film اور Animation پہنچ چکی ہے اس میں بھی اس طرح کا امیج اس احساس سے بھرپور امیج میں تخلیق کرنا ایک چیلنج ہے مگر انیسؔ مرثیے میں ہی اس مقام سے کامیابی سے گزر رہے ہیں۔

مرثیہ ''جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے'' کا بند دیکھیے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں، سینے کے پار تیر پڑتے تھے دس، جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِّ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

اس بند میں خاص طور پر چوتھا مصرع نہایت اہم ہے یہ امیج بالکل ایسا ہے جیسے ایک ہدایت کار نے اپنے متصوّر فریم میں سیٹ کیا ہو۔ یہ امیج تناسب کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس امیج سے امامؑ کی بے کسی کی جو تصویر تخلیق ہو رہی ہے اس سے کوئی بھی صاحبِ احساس شخص متاثر بھی ہو سکتا ہے اور احساس قوی ہو تو اس سے relate بھی کر سکتا ہے. یہ سلسلہ چلتا ہے اور آگے چل کر مذکورہ مرثیے کا ایک اور بند مقتل کی روایت کے مطابق ایک ایسا امیج فریم کرتا ہے جو انسان کی روح کو پوری طرح جذب کرنے لینے کی طاقت رکھتا ہے:

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

انیسؔ کے ہاں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں مگر یہاں چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

دورِ جدید میں واقعہ کربلا کو نہ صرف فلمایا گیا ہے بلکہ اس موضوع پر چند تخلیق کاروں کی طرف سے بہترین Animation پر اجیکٹکس بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں مگر چونکہ عمومی فلم ہو یا Animation یہ سب بہرحال آرٹ ہیں لہٰذا شاعری کی طرح ان کو بھی بطورِ آرٹ ہی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جس سے اس میدان میں بہترین تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔ لہٰذا کربلا کا مذکورہ ذرائع کی مدد سے ابلاغ مقصود ہو تو اس حوالے سے میر انیسؔ ایک سمت روشن کر چکے ہیں۔ اب ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ وہ ذہن جو کربلا کا ابلاغ cinematography کے ذریعہ کرنے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں انھیں انیسؔ کے آرٹ سے روشناس کروایا جائے تا کہ ایک آفاقی شعور رکھنے والے ایک عظیم فنکار کے شہکاروں سے استفادہ کرتے ہوئے اس میدان میں بھی اعلیٰ سطح کے فن پارے تخلیق ہونے کے امکانات روشن ہوں۔

❁❁❁

حسرتِ ناکام

غیر مطبوعہ مرثیہ

بارہ بند کا یہ مرثیہ والدعلام مولانا انجینئر سیّد درالحسن رضوی اخترؔ اعظمی نے ۱۹۴۹ء میں اپنی دختر تبسم رضوی کے لیے لکھا اور یاد کرایا تھا۔ یہ مرثیہ تاوقت غیر مطبوعہ ہے اور بچوں کو یاد کرانے کے لیے ایک اچھا مرثیہ ہے۔(اصغر مہدی اشعر)

مرثیہ

(۱)
چھوٹی ہوں میں بہت مگر افکار ہیں بلند　　تارے گریں فلک سے جو پھیکوں میں اک کمند
ننھے لبوں کو کھولوں تو سب قاطع ہوں بند　　مدّاحِ شیرخوار ہوں ہر دل کو ہوں پسند
کربل میں کاش ہوتی تو جھولا جھلاتی میں
اصغرؑ کے بدلے تیر گلے سے لگاتی میں

(۲)
بِن پانی سوکھتا نہ محمدؐ کا گلستاں　　سوزِ عطش سے پُھکتا نہ قلبِ شہِؑ زماں
حیدرؑ کے گلعزاروں پہ آتی نہ یوں خزاں　　اصغرؑ سا پھول پیاس سے ہوتا نہ نیم جاں
بجلی بھی گرد پانی نہیں دوڑ جاتی میں
گویا براق بن کے لیے آب آتی میں

(۳)
ساغر بکف پہنچتی نجف کہتی یا علیؑ　　کربل کے بن میں ایک قیامت کی ہے گھڑی
آلِ نبیؐ پہ بند ہے پانی کی بوند بھی　　حد ہے چھ ماہہ ہچکیاں لیتا ہے موت کی
ساقی ہیں آپ دیجیے جامِ بقا شتاب
میں پیش کردوں پیاسوں کو پانی بصد شتاب

(۴)
ساغر چھلکتا لے کے پہنچتی بہ آب و تاب　　بھر بھر کے جام پیاسوں کو دیتی جو بے حساب
جلتا جلن سے جور و جفا کا جہاں جناب　　نہرِ فرات شرم سے ہوجاتی آب آب
جُھک جھک کے تکتے حور و ملائک زمین کو
بڑھ کر رسولؐ چومتے میری جبین کو

(۵)
کیسے بیاں ہو شہؑ کی مصیبت کہ آہ آہ　　تنہا حسینؑ لاکھوں عدو وا مصیبتا
بہرِ مدد پکارتے تھے ہر قدم پہ شاہؑ　　عباسؑ و عونؑ و قاسمؑ و اکبرؑ سے مہر و ماہ
آوازِ المدد سے فضا تھرتھرا اُٹھی
ششماہہ جھولے سے گرا گویا قضا اُٹھی

خیمے میں آکے پیاسے کو سلطان لے چلے ننھّا سا گویا ہاتھوں پہ قرآن لے چلے
صغریٰؑ کی آس بانوؑ کا ارمان لے چلے (۶) چلّاتی تھی سکینہؑ مری جان لے چلے
بھیّا کو میرے تیر جفا سے بچائیو
پانی ملے تو پہلے اسی کو پلائیو

میداں میں آکے فوج سے تھا شاہؑ کا خطاب مرجھا گیا ہے پیاس سے بانوؑ کا یہ گلاب
للہ چند قطرے اسے دو بصد شتاب (۷) ورنہ رسولِؐ پاک کو تم دو گے کیا جواب
اصغرؑ تم اپنی تشنہ لبی کو دکھا دو اب
نیلے لبوں پہ خشک زباں کو پھرا دو اب

سوکھی زبان لب پہ پھرائی جو ایکبار دشمن کی فوج رونے لگی ہو کے بیقرار
تھا انقلاب فوجِ یزیدی میں آشکار (۸) گھبرا گیا لعیں پسرِ سعدِ نابکار
فتحِ مبیں کی شان دکھائی صغیرؑ نے
اور اَیْنَ حُرْملَہ کی صدا دی شریر نے

اے حرملہ کے تیر بھلا تھی تری مجال ننھے گلے کو چھید کے کرتا جو تو نڈھال
واللہ میں جو ہوتی تو بن جاتی ایسی ڈھال (۹) دانتوں پسینے آتے پر ہوتا نہ تو نہال
عزم و ثبات و جرأتِ بے شِیر کی قسم
ہمت کو توڑ دیتی ہے شبیرؑ کی قسم

او سعد کے پسر تجھے آخر ہوا تھا کیا ننھی سی جاں کے واسطے ایسا شقی چنا
بچّے کا ہونٹ نیلا تھا سوکھا ہوا گلا (۱۰) اور تین پھل کا تیر الٰہی غضب ہوا
کڑکی کمان تیر چلایا شریر نے
نازک گلا ہمک کے بڑھایا صغیر نے

ہلنے لگی زمین فلک تھر تھرا اُٹھا ماہِ ربابؑ ظلم کے بادل میں جا چھپا
تیرِ ستم سے ننّھا مجاہد تڑپ اُٹھا (۱۱) ہاتھوں پہ شاہؑ کے علی اصغرؑ نے کی قضا
چہرے پہ اپنے مل لیا بے شِیر کا لہو
بولے حسینؑ ہوگیا واللہ سرخرو

ایک بار مسکرا دیا ششماہہ تشنہ کام بجلی سی کوندنے لگی غل پڑ گیا تمام
اب بھی فضا سے آتی ہے آواز صبح و شام (۱۲) اے مسکراہٹوں کے شہنشاہ السلام
لیجے کنیزِ خاص تبسّم یہ آئی ہے
کیجے قبول حسرتِ ناکام لائی ہے

❁❁❁❁

غیر مطبوعہ مرثیہ امام حسینؑ

محمد علی ظاہر

مجرئی رخصتِ آخر کو حسینؑ آتے ہیں (۱) بال بکھرائے رسولؐ الثقلین آتے ہیں
اشک برساتے شہِؑ بدر و حنین آتے ہیں   دُخترِ سرورِ کونینؐ کے بین آتے ہیں
تن سے بھائی کے حسنؑ تیرِ ستم کھینچتے ہیں
شاہؑ رک رک کے سوئے خیمہ قدم کھینچتے ہیں

روح مجروحِ الم ، جسم تھکاوٹ سے نڈھال (۲) خون میں بھیگا ہوا پیرہنِ خوش اجمال
سر سے پا تک کہیں برچھی کہیں نیزہ کہیں بھال   دل کو رہ رہ کے ستاتا ہے سکینہؑ کا خیال
اک قیامت ہے کہ بچی پہ گزر جائے گی
زخم بابا کے جو دیکھے گی تو مر جائے گی

کترنیں باندھ چھپاتے ہیں جراحت تن کی (۳) دیکھ کر خیموں کو پھر تکتے ہیں صورت بن کی
جیسے چنتے ہوں سرِ ریگ جگہ مدفن کی   آنکھ میں پھرتی ہے تصویر کوئی بچپن کی
متمکن تھے کبھی دوشِ محمدؐ پہ حسینؑ
سجدہ فرمائیں گے اب خاک کی مسند پہ حسینؑ

ڈھونڈتے ہیں کہ نشیبی کوئی مل جائے زمیں (۴) دور خیموں سے نہ ہو اور ہو ٹیلہ بھی قریں
دیکھ سکتی ہو سہولت سے نگاہِ غم بیں   بس وہیں سجدہء آخر میں جھکا دوں میں جبیں
در سے نکلے جو بہن دور نکلنا نہ پڑے
بنتِ حیدرؑ کو زیادہ کہیں چلنا نہ پڑے

ریشِ اطہر علی اصغرؑ کے لہو سے تاباں (۵) چشم میں عونؑ و محمدؑ کی خوشی کا ارماں
جسمِ صد چاک سے قاسمؑ کے سبھی زخم عیاں   دل میں پیوست ہے اکبرؑ کے کلیجے کی سناں
قمرِ چرخِ یداللہ کی لو مدھم ہے
بھائی عباسؑ کی فرقت سے کمر میں خم ہے

دیکھتے ہیں جو کبھی گنجِ شہیداں کی طرف (۶) یاد آتے ہیں رفیقانِ دلاور کے شرف
ایستادہ تھی ابھی دشت میں انصار کی صف   ہائے کیا وقت ہے تنہا ہے بنِ شاہِؑ نجف
عصرِ عاشور ہوئی رن میں جماعت بکھری
ٹوٹ کر خاک پہ تسبیحِ شہادت بکھری

ہیں تو تنہا پہ ہزاروں سے لڑے جاتے ہیں (۷) خرمنِ فوج پہ کیا برقِ غضب ڈھاتے ہیں
تول کر تیغ فرس دشت میں گرماتے ہیں دل میں لیکن جو خیالات عجب آتے ہیں
گاہے گاہے تو نظر کرتے ہیں بہنوں کی طرف
لڑتے لڑتے بھی ہے رخ شاہؑ کا خیموں کی طرف

یہاں لکھّا ہے کہ تھے جنگ میں مشغول امامؑ (۸) نیتِ بد سے بڑھی فوجِ لعیں سوئے خیام
یک بہ یک روئے مبیں شہؑ کا ہوا سرخ تمام غیظ کھا کر یہ کہا او سپہِ بد انجام!
غضب اللہ کا ایمان سے انکاری ہو
اپنے آبا کی حمیت سے بھی تم عاری ہو؟

بدّوؤں نے بھی عرب کے نہ کیا ایسا فساد (۹) غولِ سفیاں میں ہوئی کیا نئی بدعت ایجاد؟
گر نہیں خوفِ خدا ، پاسِ نبیؐ ، فکرِ معاد کم سے کم دہر میں بن کر رہو مردِ آزاد
کون کوڑی کے عوض جنسِ گراں دیتا ہے
خاندانی ہو تو اقدار پہ جاں دیتا ہے

پوچھا یہ شمرِ لعیں نے کہ ہے کیا اس سے مراد (۱۰) کہا شبیرؑ نے ، میں تم سے ہوں مصروفِ جہاد
عورتوں کا نہیں کچھ دوش کہ ہو ان سے عناد جب تلک جیتا ہوں میں مجھ پہ کرو سب بیداد
کچھ تعرض مرے خیموں سے نہ زنہار کرو
ہو اگر مرد تو میداں میں بڑھو وار کرو

دیکھا مظلوم کو غصہ میں تو تھرایا لعیں (۱۱) فوج سے اپنی خجل ہو کے یہ بولا بے دیں
نامرادو! کوئی غیرت بھی تمھیں ہے کہ نہیں آن کی آن میں خیموں سے ہٹو دور کہیں
شاہ مائل بہ کرم ہیں ابھی سمجھاتے ہیں
باز آؤ ، نہیں قتّالِ عرب آتے ہیں!

بس یہ سنتے ہی پھرا رزم کی جانب لشکر (۱۲) روئے سرورؑ پہ ادھر آیا جلالِ حیدرؑ
دھول ٹاپوں سے اڑی گرد میں ڈوبا منظر آبِ شمشیر سے سر سبز ہوئی کشتِ ظفر
غل اٹھا دشت میں شاخِ سرِ صندل پھوٹی
پردۂ خاک سے تلوار کی کونپل پھوٹی

شررِ تیغ جو یکبارگی سر پر برسا (۱۳) بھر گیا نار سے سب دشتِ جدل کا عرصہ
آبِ شمشیر نے گو حلق کیا کچھ تر سا قطرہ پانی کو مگر گھاٹ کا لشکر ترسا
تپ کے موسم میں وہ شمشیر جو لہرانے لگی
فوجِ ناری وہیں دوزخ کی ہوا کھانے لگی

پھل تھا جس شاخ کا سو زہر بسا ، تھی وہ تیغ (۱۴) نظر آتی نہ تھی اور سب سے رسا تھی وہ تیغ
دمِ کشتن ملک الموت کی ساتھی وہ تیغ   دستِ شبیرؑ میں موسیٰؑ کا عصا تھی وہ تیغ
دو زبانیں صفت اژدر کی جو دکھلاتی تھی
بن میں پھنکارتے سانپوں کو نگل جاتی تھی

چار آئینوں پہ اعدا کے پھری جوں ہیرا (۱۵) ہوا تلخابۂ جاں اس کے ثمر کا شیرہ
تھے وہ نو لاکھ اسے اونٹ کے منہ میں زیرہ   نیل کی طرح سے سب فوج کا دریا چیرا
سنتِ حضرتِ عباسؑ کا حظ پانے کو
نہر پر اتری ذرا دیر کے سستانے کو

اترے پانی میں معِ رخش جو سلطانِ زماں (۱۶) تپش ایسی تھی کہ تن میں نہ سنبھلتی تھی جاں
چھینٹیں پڑتی تھیں جو پاکھر پہ تو اٹھتا تھا دھواں   تشنہ کامی سے نکل آئی تھی موجوں کی زباں
ایسے عالم میں جو شہؑ نے سوئے دریا دیکھا
خوں کے گرداب میں عباسؑ کا لاشہ دیکھا

جانے کیا وقت تھا شبیرؑ تھے کس عالم میں (۱۷) درک اس کو کرے اتنی نہیں حس عالم میں
کوئی عالم تھا کہ مظلوم تھا جس عالم میں   ہاں مگر اتنا کیا شاہؑ نے اس عالم میں
چشمِ خاموش سے اک بین اٹھا وا عباسؑ!
چلو پانی کا بھرا اور کہا یا عباسؑ!

اک عجب رنج سرِ قلب سہے جاتے تھے (۱۸) غم سے لرزاں تھا بدن یوں کہ ڈھہے جاتے تھے
قطرے پانی کے جو چلو سے بہے جاتے تھے   کتنی باتیں تھیں جو اشکوں میں کہے جاتے تھے
چشمِ دنیا سے تھے روپوش محن حضرت کے
خلد میں سنتے تھے عباسؑ سخن حضرت کے

یہی پانی جسے اُمّت نے تھا پابند کیا (۱۹) کتنا ارزاں ہے کہ اک بوند نہ سرورؑ نے پیا
اختیار اپنا دکھانے کو جو چلّو میں لیا   معرفت اپنی کرانے کو یونہی پھینک دیا
آبِ چلو نہیں تہذیب کا سانچہ کہیے
چہرۂ نہر پہ پیاسے کا طمانچہ کہیے

بس کہ پیاسے نے کیا ترک جو دریا کا خیال (۲۰) لشکری پھر سے ہوئے جمع پئے جور و جدال
سپہِ شام کی تیغیں جو بڑھیں بہرِ قتال   شہِؑ کونین نے تھامی یہاں خورشید کی ڈھال
نسلِ ابتر میں بڑھے سورہء کوثر کی طرح
کاٹتے جاتے تھے اشرار کو وانحر کی طرح

مومنو! ایک ہیں شبیرؑ تو لاکھوں اعدا (۲۱) مارتا ہے کوئی پتھر کوئی تیر و نیزہ
اتنے لشکر کے سمندر میں بنا کر رستہ اب جو پہنچے ہیں فرس پر سرِ خیمہ آقا
چشمِ گریاں سے درِ بیتِ شرف دیکھتے ہیں
اور کچھ سوچ کے پھر سوئے نجف دیکھتے ہیں

شاید اس وقت نگاہوں میں ہے شب کا منظر (۲۲) جبکہ لٹ جائیں گے ناموس اجڑ جائے گا گھر
پردہ بالوں کا بنائے ہوئے شہؑ کی خواہر اک جلی چوب لیے ہو گی کھڑی پہرے پر
رخش دوڑاتا کوئی برق مثال آئے گا
بنتِ کرارؑ کو چادر کا خیال آئے گا

جہاں خیمے ہیں یہاں شعلے بھڑکتے ہوں گے (۲۳) نیزے بے دینوں کے ہاتھوں میں چمکتے ہوں گے
بات بے بات یتیموں کو گھڑکتے ہوں گے اور معصوم سرِ خاک سسکتے ہوں گے
ایک بچی یہاں دامن کو بچاتی ہو گی
اپنے کُرتے میں لگی آگ بجھاتی ہو گی

ایک بیمار یہاں پہنے ہوئے طوقِ گراں (۲۴) شورِ زنجیر سے دیتا ہوا غربت کی اذاں
اپنے سینے میں لیے رنج و الم کا طوفاں سرخ آنکھوں میں لیے کرب کا خاموش بیاں
دیکھتا ہو گا بھرے صحن کی ویرانی کو
اشکِ خوں رنگ سے آئے گی حیا پانی کو

دل میں کہتے ہیں کہ یا رب! ترے منشا کے نثار (۲۵) دہر میں کس کو ہوا تیری مشیت سے فرار
حاجب و صاحب و افسر ترے پیشِ دربار عاجز و بے کس و حیران و زبون و لاچار
گردنِ صبح ہے خم شامِ قضا کے آگے
کون پر مار سکا دامِ قضا کے آگے

مصلحت ہے یہی تیری تو نہیں کچھ پروا (۲۶) ہو سرافراز یہ سر کٹ کے بہ نوکِ نیزہ
چھین لے لشکرِ کیں ثانیِ زہراؑ سے ردا طوقِ خاراں میں بندھے عابدِؑ مضطر کا گلا
ظلم والے ستم و جور و جفا میں خوش ہیں
اہلِ تسلیم مگر تیری رضا میں خوش ہیں

تو نے چاہا تو بھری خلق میں ممتاز کیا (۲۷) خلوتِ خاص کا اپنی ہمیں ہم راز کیا
ہم سے کونین کی تخلیق کا آغاز کیا دہر میں تاجِ شفاعت سے سرافراز کیا
اب تری راہ میں سر اپنا کٹاتا ہے حسینؑ
مالک الملک! ترے وصل کو آتا ہے حسینؑ

تھی مناجات یہ دل میں کہ بڑھے جانبِ در (۲۸) لبِ پُر زخم سے تطہیر کی آیت پڑھ کر
اپنے آنے کی جو دی بیبیوں بچوں کو خبر دیکھا ناموس نے زخمی ہیں شہِؑ بحر و بر
مثل جھرنے کے رخِ پاک سے خوں جاری ہے
شدتِ ضعف سے چلنے میں بھی دشواری ہے

پونچھتے ہیں کبھی پیشانیِ اطہر سے لہو (۲۹) دُکھنے لگتا ہے کبھی آپ کا زخمِ بازو
سینہ مجروح ، جگر چاک ، بریدہ پہلو مثلِ لالہ ہے شفق رنگ بدن مو تا مو
آبِ شمشیر پیے ، تشنہ دہن پھرتے ہیں
تن سے باراں کی طرح قطرۂ خوں گرتے ہیں

پایا حضرتؑ کو جو اس عالمِ لاچاری میں (۳۰) شورِ کہرام اٹھا خیمۂ زنگاری میں
ہوئیں مصروف خواتین عزاداری میں بین پڑھتی تھی کوئی ، محو کوئی زاری میں
رخصتِ شاہؑ کا نالہ کیا مستوروں نے
گرد مظلوم کے ہالہ کیا مستوروں نے

دیکھا یہ حال برادر کا تو تڑپی خواہر (۳۱) دل پہ بجلی گری ، یکبارگی لرزی خواہر
پر تھا سکتہ کہ نہ اک لفظ پکاری خواہر تھا یہ اغلب کہ وہیں جان سے جاتی خواہر
کہا شبیرؑ نے زینبؑ! نہیں گھبرانا ہے
یہ تو مقتل ہے تمھیں شام تلک جانا ہے

خشک ہے پیاسا گلا ، پر تہِ خنجر تو نہیں (۳۲) لاکھ مضروب سہی ، تن سے جدا سر تو نہیں
سوکھ آئی ہیں رگیں ، نوکِ سناں پر تو نہیں جسم پامالِ سمِ لشکرِ ابتر تو نہیں
صبر فرماؤ بہن! اور ستم سہنا ہے
تمھیں سجادؑ کے حصہ کا بھی غم سہنا ہے

رو کے فرمانے لگیں حضرتِ زینبؑ اس دم (۳۳) امّاں زہراؑ کے شکستہ ہوئے پہلو کی قسم
میں نے بابا کے سرِ چاک پہ رکھا مرہم کھینچے شبرؑ کے جنازے سے سبھی تیرِ ستم
لایئے آج گرہ صبر کی ایسی باندھوں
اپنی چادر سے میں ہر زخم پہ پٹی باندھوں

صاف کرتی تھیں جو خوں آپ لہو روتی تھیں (۳۴) اشک کے آب سے زخمِ شہِؑ دیں دھوتی تھیں
صدقے سرورؑ پہ وہ زہراؑ کی طرح ہوتی تھیں ٹیس اُٹھتی تھی جو ان کو تو یہ جاں کھوتی تھیں
شاہ گو صبر کی تلقیں انھیں فرماتے تھے
آنسو حضرتؑ کی بھی آنکھوں میں امڈ آتے تھے

کہا مظلوم نے تم ہم سے ہو مانوس بہن! (۳۵) دل ہے جس حال میں کر سکتی ہو محسوس بہن!
زندہ رہنے کی تمنا سے ہیں مایوس بہن! لاؤ صندوق سے کہنہ کوئی ملبوس بہن!
لوٹ کے وقت میں جو سترِ بدن ہو جائے
تنِ شبیرؑ کا شاید کہ کفن ہو جائے

بعد اس کے کیے تفویض کچھ اسرار و امور (۳۶) فاطمہؑ کبریٰ کو سونپا پئے عابدؑ دستور
امتحاں ہوں گے جو مستوروں کے بعدِ عاشور اپنے حصے کی بہن کو کیا ان پر مامور
اشک آنکھوں میں جو بچی کی نظر آنے لگے
لے کے معصومہؑ کو آغوش میں بہلانے لگے

کس لیے روتی ہو اے روحِ پدر ، جانِ پدر (۳۷) رنج میں راحتِ جاں ، درد میں درمانِ پدر
تم سے صد رشکِ جناں صحنِ گلستانِ پدر ہے سرشکوں میں تمھارے بڑا نقصانِ پدر
جیتے جی روؤ گی اپنے تو تعب کھائیں گے
زیرِ خنجر بھی یہ آنسو ہمیں یاد آئیں گے

ہم جو تڑپیں گے دمِ قتل ان اشکوں کے تئیں (۳۸) شاہؑ بے صبر ہوئے کہہ کے ہنسیں گے یہ لعیں
طعنے دیویں گے کہ بے حال ہیں سلطانِ دیں چور زخموں سے ہیں اک وار بھی سہ سکتے نہیں
درد ایسا ہے سوا ضبط کو کھوتے ہیں حسینؑ
شمر کے ظلم سے میدان میں روتے ہیں حسینؑ

جانِ بابا ہے وہاں مرحلۂ عبد و خدا (۳۹) اور تم جانتی ہو اپنے پدر کا شیوہ
ہم کبھی روتے نہیں خوفِ الٰہی کے سوا پونچھ لو اشک کہ دل میں نہ ہو مطلق پروا
پیشِ حق دل میں اگر پاسِ عیال آئے گا
غیرتِ بندۂ مولا پہ سوال آئے گا

بعد اس کے کیا ناموس سے حضرتؑ نے خطاب (۴۰) ہاں خبردار درِ غیب سے اے اہلِ حجاب
مرحلے اب ہیں وہ درپیش نہیں سہنے کی تاب مگر آسان کرے جس پہ خدا راہِ صواب
کہاں پڑتے ہیں قدم دشتِ مقدر کے سوا
سائباں سر پہ نہیں صبر کی چادر کے سوا

تھام لو کس کے ردائیں کہ چلے گی وہ ہوا (۴۱) کاہ کی طرح جو کہسار کو لے جائے اڑا
ٹوٹ پڑنے کو ہے تیار ہر ایذا و جفا اور پناہ گاہ نہیں جز سپرِ حفظِ خدا
مستعد ہو رہو آلام و مصائب کے لیے
سرخروئی ہے فقط صابر و صائب کے لیے

پڑے افتاد تو زنہار نہ تم گھبرانا (۴۲) شکرِ معبود سے تسکینِ دل و جاں پانا
اجر کم جس سے ہو قول ایسا نہ لب پر لانا جب لٹے سر سے ردا سجدۂ رب فرمانا
جلتے خیموں کا صلہ رحمتِ باری ہووے
صبر کرنا کہ فزوں قدر تمھاری ہووے

شرِ اعدا سے خداوند بچائے گا تمھیں (۴۳) رتبے پائے نہ جو اوروں نے دلائے گا تمھیں
ہاں مگر شمر ہر اک گام ستائے گا تمھیں سر برہنہ سرِ بازار پھرائے گا تمھیں
بھیڑ میں لوگوں کی کچھ رہ نہ اگر پانا تم
سرِ شبیرؑ کے سائے میں چلی آنا تم

آئے سجادؑ سے رخصت کو شہِؑ ہر دو سرا (۴۴) تن سے مظلوم کے اس وقت لہو بہتا تھا
اور بیمار کے پیکر میں تھا تپ سے لرزہ بند آنکھیں تھیں بدن زرد تھا چہرہ اترا
دیکھا بیمار نے بابا کو تو لب ہلنے لگے
آخری بار گلے ابن و پدر ملنے لگے

بھینچ کر سینۂ زخمی سے یہ سرورؑ نے کہا (۴۵) صدقے سو جان سے بابا ہو مرے ماہ لقا
جسم پھنکتا ہے تپش سے، ہے دہن پیاس سے وا اور پانی بھی میسر نہیں اشکوں کے سوا
دشتِ بے آب میں پیاسوں کا بلکنا دیکھے
ہائے وہ باپ جو بیٹے کا تڑپنا دیکھے

شہؑ نے تعلیم کی تب نیک پسر کو یہ دعا (۴۶) واسطے آیۂ یٰسین و بحقِ طٰہٰ
واسطے عظمتِ قرآن کے اے بارِ خدا اے کہ حاجت نہیں کوئی تری قدرت سے ورا
اے کہ احوالِ خفی سب درِ معلوم میں ہیں
تجھ سے راحت کی امیدیں دلِ مظلوم میں ہیں

غم کے ماروں کو تو اندوہ سے چھڑواتا ہے (۴۷) دردمندی پہ ضعیفوں کی ترس کھاتا ہے
رزق ہر طفلکِ معصوم کو پہنچاتا ہے ظاہر اتنا ہے کہ تفسیر نہیں پاتا ہے
رحمتیں ذاتِ محمدؐ پہ سدا نازل کر
صدقۂ آلِ نبیؐ سہل مری مشکل کر

مومنو کیا کہوں احوالِ وداعِ مولا (۴۸) بس کہ ناموس میں ہوتی ہے قیامت برپا
کوئی لپٹے ہے قدم سے، کوئی تھامے ہے عبا کوئی دیتی ہے شہِؑ دیں کے گلو پر بوسا
ہوش کھوتی ہے کوئی اور کوئی غش کھاتی ہے
ایک بچی ہے جو دامن سے لپٹ جاتی ہے

کوئی کہتی ہے تصدّق مرے والی قرباں (۴۹) کوئی مضطر ہوئے جاتی ہے ابھی سے بے جاں
کسی بی بی پہ ہے سکتہ تو کوئی محوِ فغاں دیکھتی ہے کوئی بربادی کا اپنی ساماں
قبلہ و رکن سبھی سجدۂ غم کرتے ہیں
کعبۂ دیں کا طواف اہلِ حرم کرتے ہیں

اڑا جاتا ہے کسی آن میں سب غازۂ گل (۵۰) پھر کوئی شور عنادل کا نہ آوازۂ گل
بلبلیں کھاتی ہیں گلشن میں غمِ تازۂ گل بس کوئی دم میں بکھرنے کو ہے شیرازۂ گل
جسم سے روح، مہک گل سے رواں ہوتی ہے
گل زمیں فاطمہ زہرؑا کی خزاں ہوتی ہے

خاک اڑتی ہے سرِ صحن ، ہوا چلتی ہے (۵۱) سر سے بانوؑ کے یہ کس آن ردا ڈھلتی ہے
دھوپ چبھتی ہے نگاہوں میں، زمیں جلتی ہے آنکھیں قدموں سے شہِؑ دیں کے اجل ملتی ہے
چھوڑ کر بچوں کو ، مقتل کی طرف جاتے ہیں
سوئے معبود حسینؑ ابن علیؑ آتے ہیں

بھانجے اب نہ بھتیجے نہ برادر نہ پسر (۵۲) نے ہوا خواہ نہ ہمراہ نہ یار و یاور
خادمین اور نہ چاؤش و جلوس و لشکر فوج کے سامنے تنہا ہیں شہِؑ بحر و بر
لو جو چلتی ہے تو غم اور نکھر جاتے ہیں
ذرۂ ریگ ہر اک زخم میں بھر جاتے ہیں

اِسی اثنا میں فرس شاہؑ کی جانب آیا (۵۳) یال میں پھیر کے ہاتھ آپ نے یوں فرمایا
صبح سے شام تلک تو نے بھی کیا غم کھایا صبر کے گھونٹ پیے آب نہ قطرہ پایا
بس کوئی دم میں ہر اک غم سے رہا کرتے ہیں
زحمت آخر ہے کہ اب ہم بھی قضا کرتے ہیں

اک عجب رنج سے دل اسپ کا دوچار ہوا (۵۴) شہؑ کی تنہائی کا مقتل میں عزادار ہوا
سر رکھا قدموں پہ نصرت کا روادار ہوا راکبِ دوشِ نبیؐ پشت پہ اسوار ہوا
سوئے میدانِ وغا سیدِ ذی جاہ چلے
باگ تھامے ہوئے جبریلؑ بھی ہمراہ چلے

قدم انداز جو میداں میں وہ پا مرد ہوا (۵۵) دھول سے ٹاپوں کی رخسارِ زمیں گرد ہوا
اڑ گیا رنگِ افق روئے فلک زرد ہوا گرمیٔ خوف سے بازارِ جہاں سرد ہوا
تیغ کاٹھی میں ہے لرزاں کہ دیا طاق میں ہے
"فلیقاتل"، کی صدا انفس و آفاق میں ہے

غل ہے اب دشت میں سلطانِ حجازی آیا (۵۶) سرفروش ، اہلِ صفا ، عادل و غازی آیا
منتظر عشق تھا جس کا وہ نمازی آیا ڈھول تاروں کی اڑاتا ہوا تازی آیا
بن میں طاوسِ اجل صاعقہ وار اڑتا ہے
برق لہراتی ہے کرنوں کا غبار اڑتا ہے

زخم خوردہ ہے متانت مگر انداز میں ہے (۵۷) عسلِ وحی کی لذت لبِ اعجاز میں ہے
ہے وہ بے پر سرِ لاہوت جو پرواز میں ہے اور درِ غیب کی مفتاح کفِ راز میں ہے
اضطراری ہے کہ ہر جسم سے جاں کھنچتی ہے
جہاں اُٹھتی ہے پلک روحِ زماں کھنچتی ہے

چھپتی پھرتی ہے ہوا دامنِ شبیرؑ میں (۵۸) اک تذبذب ہے بپا عالمِ تقدیری میں
کوہِ آتش ہے پڑا قعرِ زمہریری میں جانے کیا ہو گا سرا خانۂ تصویری میں
باڑھ چڑھتی ہے حبابوں کے جگر گھٹتے ہیں
سوزنِ برق سے سب ابر پڑے پھٹتے ہیں

زیبِ تن آپؑ کے اس وقت لہو کی ہے عبا (۵۹) سر پہ عمامۂ خورشید کی پرتاب ضیا
زخمِ اکبرؑ کی سجائے ہوئے سینے پہ زرہ اور وہ دشتِ اجل خیز کی پر ہول فضا
جنبشِ لب کی طرف ہر کہ و مہ تکتا ہے
از زمیں تا بہ فلک دہر پہ اک سکتہ ہے

گھنٹیاں اونٹوں کی گردن میں رکی ہیں اس دم (۶۰) حسرتیں سہم کے سینوں میں چھپی ہیں اس دم
مچھلیاں آب میں تصویر بنی ہیں اس دم دھڑکنیں وقت کی گویا کہ تھمی ہیں اس دم
بارِ توحید سے کیا خانماں بر دوش ہیں شاہؑ
زندگی گوش بر آواز ہے خاموش ہیں شاہؑ

رخِ حضرت پہ ہے اس وقت عجب رنگِ جمال (۶۱) ابرِ لشکر میں ہے ابرو کی جھلک مثلِ ہلال
ہاں مگر ماہ سے ابرو کی پرانی ہے مثال لو چنا فکر کے خیاط نے کیا تارِ خیال
قابِ قوسین کا پردہ جو بنا فطرت نے
موئے ابرو سے لیے تار یدِ قدرت نے

اب یہ بہتر ہے زرِ طبع لٹایا جائے (۶۲) قبلِ غربت کے تحشم بھی بتایا جائے
متصل آمدِ سرورؑ سے بنایا جائے جز سراپا کا بصد شان سنایا جائے
مقتضا فن کا ہے ، شوخی مجھے مطلوب نہیں
ایک ہی دھن پہ رہے ساز تو مرغوب نہیں

رخِ شبیرؑ پہ ضوبار ہے کیا طرفہ نور (۶۳) تشنگی دید کی اس آب سے پاتی ہے وفور
کیوں نہ اس شمع کا پروانہ بنے جلوۂ طور یہ وہ چہرہ ہے جسے دیکھتے رہتے تھے حضورؐ
نگہِ رحمتِ عالم کا اثر بولتا ہے
رخ پہ سرورؐ کے وہی حسنِ نظر بولتا ہے

زلف وہ زلف جسے رات کی رانی کہیے (۶۴) لیلتہ القدر کے جھرنوں کی روانی کہیے
بانوئے صبحِ صداقت کی جوانی کہیے اس سیاہی کو اجالوں کی نشانی کہیے
یہ وہ گیسو ہیں جو فطرت کے نکھارے ہوئے ہیں
فاطمہ زہراؑ کے ہاتھوں کے سنوارے ہوئے ہیں

چشم وہ چشم کہ جو نور فشاں رہتی ہے (۶۵) صورتِ غیب سدا جس پہ عیاں رہتی ہے
بن کے شاہد سرِ امت نگراں رہتی ہے نگہِ حق اسی غرفے میں نہاں رہتی ہے
حدِ اجسام کو یہ زیر و زبر کرتی ہے
روشنی اس کی اجازت سے سفر کرتی ہے

بینی وہ بینی کہ اک آئینۂ نورِ صفات (۶۶) گنبدِ رو کا کلس ، جلوۂ فردوسِ ثبات
مستقیم ایسی کہ جس طرح سے ہو راہِ نجات اور اٹھان ایسی کہ بڑھتی ہوئی جلووں کی برات
لطف جب ہے کہ نئے ڈھنگ سے یہ باب لکھوں
رو کو مسجد کہوں اور بینی کو محراب لکھوں

ہونٹ وہ ہونٹ جو آیات کا مخزن ٹھہرے (۶۷) ابرِ الہام کا آ کر جہاں ساون ٹھہرے
غنچۂ وحیِ خدا ، صدق کا گلشن ٹھہرے نفسِ حق کا زمانے میں یہ مسکن ٹھہرے
ذکر سے جن کے زباں غیب بیانی پا جائے
منہ میں کوثر کے جنھیں دیکھ کے پانی آ جائے

تابِ دندان سے ہیرے بھی خزف ہیں گویا (۶۸) زینتِ چرخِ ہدیٰ ، برجِ شرف ہیں گویا
نوری تاروں کی چمکتی ہوئی صف ہیں گویا جوہری کہتے ہیں یہ درِ نجف ہیں گویا
نورِ دنداں کی تجلی سے جو خیرہ ہو جائے
ذرہ خورشید بنے ، کوئلہ ہیرا ہو جائے

سینہ وہ سینہ جو انوار کا گنجینہ ہے (۶۹) ذوقِ جلوہ ہو تو پھر طور یہی سینہ ہے
نے حسد ہے نہ عداوت نہ کوئی کینہ ہے سر بہ سر عشق اور احساس کا آئینہ ہے
کذب و عصیاں کے عوارض سے شفا دیتا ہے
دلِ مردہ کو نفس اس کا جلا دیتا ہے

ہاتھ وہ ہاتھ کہ جو کارِ احد کرتے ہیں (۷۰) بزمِ امکاں میں خلائق کی مدد کرتے ہیں
کفر و ایمان میں قائم یہی حد کرتے ہیں یہ اگر چاہیں ازل کو بھی ابد کرتے ہیں
مہر و مہتاب ہیں پابند اسیروں کی طرح
باگ ہستی کی ہے مٹھی میں لکیروں کی طرح

مومنو! اب درِ اعجاز کشا ہوتا ہے (۷۱) گل فشاں دشت میں شاہؑ فصحا ہوتا ہے
رزقِ توحید سماعت کو عطا ہوتا ہے خطبۂ آخرِ شہؑ زیبِ ثنا ہوتا ہے
ساعتیں سہم کے خاموش کنیزوں کی طرح
جم گئیں بحر پہ امواج کریزوں کی طرح

اک نظر دیکھ کے لشکر کو کیا شہؑ نے خطاب (۷۲) حیف اس قوم پہ جس کو نہ رہے خوفِ عتاب
ہاں خبردار کھلا چاہتا ہے عدل کا باب موت کی طرح ہے سفاک و اٹل روزِ حساب
رہے صدیوں بھی تو آخر ہے سفر دنیا سے
صاحبِ ہوش کو لازم ہے حذر دنیا سے

یہ وہ دنیا ہے نہ کی جس نے رسولوں سے وفا (۷۳) نوحؑ کی عمر بھی پائی تو سدا کون جیا
اس کی ہر چیز کی قائم ہے تغیر پہ بنا کیا وہ باقی رہے بنیاد ہی جس کی ہو فنا
ہر مسرت میں نہاں غم کی کہانی ہے یہاں
ہر نئی چیز کوئی دم میں پرانی ہے یہاں

ماہِ کامل ہے بتدریج یہاں گھٹ کے ہلال (۷۴) چڑھتا سورج بھی دمِ عصر ہوا تھک کے نڈھال
اس کے ہر اوج کو پستی ہے ہر اک شے کو زوال رائیگانی ہے متاع اس کی زیاں اس کا کمال
کنہ اس زیست کی بے وقعتِ یک لحظہ ہے
سب یہ ہنگامہ و غل عشرتِ یک لحظہ ہے

کس بھروسے پہ دغا کرتے ہو اے اہلِ مرام! (۷۵) کیا نہیں جانتے ہو میرا ادب میرا مقام
قلمِ حق نے سرِ عرش لکھا کس کا نام کس کے ناناؐ ہیں زمانے میں رسولِ اسلام
آج کس کو ہے یہ دعویٰ دلِ کوثر میں ہوں
کون کہ سکتا ہے فرزندِ پیمبرؐ میں ہوں

طاقِ قدرت میں فروزاں ہے جو لَو کس کی ہے (۷۶) گلشنِ ہست میں تابندہ یہ ضَو کس کی ہے
سینۂ وقت میں دم ساختہ رَو کس کی ہے یہ سحر کس کی ، افق کس کا ہے، پَو کس کی ہے
سیلِ امکاں میں تمنائے دلِ نوحؑ ہیں ہم
جس سے زندہ دلِ کونین ہے وہ روح ہیں ہم

ہم ہیں عالم کے صحیفے میں بنائے الحمد (۷۷) ہم سے سیکھی ہے زمانے نے دعائے الحمد
ہمی وجہ اللہ کی صورت ہیں بقائے الحمد رازداں کون ہمارا ہے سوائے الحمد
حق نے احمدؐ میں جو اک میمِ احد ضم کی ہے
ہم سے عالم میں تجلیّء الف چمکی ہے

صاحبِ حکم و عمل ، تاجِ شریعہ ہم ہیں (۷۸) وحی شاہد ہے اشاراتِ سریعہ ہم ہیں
دہر میں رشد و ہدایت کا ذریعہ ہم ہیں شیثؑ و ادریسؑ و خضرؑ جن کے ہیں شیعہ ، ہم ہیں
اہلِ عالم کے لیے حق کی پنہ گاہ ہیں ہم
زورِ بازو جو دکھائیں تو ید اللہ ہیں ہم

ہم ہیں تاریکیٔ مخلوق میں خالق کا چرا (۷۹) خوابِ ہستی کو دیا ہم نے حقیقت کا سراغ
مئے عرفاں سے لبا لب ہوئے نفسوں کے ایاغ ہم نے مہکا دیا کونین میں توحید کا باغ
چڑھ کے بر دوشِ نبی ، کفر کا دل چاک کیا
ہم نے اصنام سے اللہ کا گھر پاک کیا

لات و عزیٰ کو جھکا کرتے تھے جب اہلِ حجاز (۸۰) مرتضیٰؑ کو تھا فقط واحد و یکتا سے نیاز
دو ستاروں کا پسر ہوں یہ مرا ہے اعزاز پڑھی دو قبلوں کی جانب مرے بابا نے نماز
حیدرؑ و فاطمہؑ ، پایا ہے شرف دونوں سے
میں وہ چاندی ہوں جو حاصل ہوئی دوسونوں سے

وصف یکتا کی طرف سے مرے شایان ہیں دو (۸۱) فاطمہؑ اور علیؑ نیّرِ تابان ہیں دو
مرتضیٰؑ اور نبیؐ ، دین کی پہچان ہیں دو خلد میں جعفرِ طیارؑ کو پر دان ہیں دو
عمر و شمر سے اب جنگ کی تیاری ہے
اللہ اللہ یہ شمشیر بھی دو دھاری ہے

بس یہ کہہ کر صفِ اعدا پہ بڑھے شاہِ ازل (۸۲) ہم رکاب اسپ کے اس سمت ہوئی برقِ اجل
چاروں جانب وہ پری وش تھی جو مصروفِ عمل چار آئینوں کے سب چور ہوئے شیش محل
مورچھل بادِ صبا اسپ کو لہرانے لگی
بانوئے تیغ پئے سیرِ چمن جانے لگی

کٹتے جاتے تھے بدن سیب کی قاشوں کی طرح (۸۳) اور ہوا چیختی تھی سینہ خراشوں کی طرح
ڈھیے جاتے تھے پرے پتلی تماشوں کی طرح موت کے خوف سے زندہ بھی تھے لاشوں کی طرح
آسماں بے حرکت اور زمیں پتھر تھی
موجِ دریا بھی جو اٹھی تو وہیں پتھر تھی

جیٹھ کے گرم مہینے کی وہ شدت وہ اوپ (۸۴) سانس بھی اوڑھے ہوئے پھرتی تھی لو کا بہروپ
ایک وہ خطۂ کرب اس پہ بلا کی یہ دھوپ　　　پانی رہ رہ کے بخارات کا بھرتا تھا سروپ
نہر کی سطح سے یوں آبِ رواں اٹھتا تھا
گویا چمنی سے کسی مِل کا دھواں اٹھتا تھا

ہیبتِ شہؑ سے تھا ہر پیر و جواں بے حرکت (۸۵) منجمد خون ، دہن خشک ، زباں بے حرکت
چشم اندھیر ، بدن ڈھیر تو جاں بے حرکت　　　تھی رواں تیغِ حسینؑ اور جہاں بے حرکت
چرخِ دوّار کو اس طور سزا دی اس نے
نوک پر روک کے گردش ہی بھلا دی اس نے

اُٹھ گیا دامِ عمل علمِ رمل والوں کا (۸۶) سحر ناکام پڑا حوت و حمل والوں کا
سرد بازار تھا ہیئت کے عمل والوں کا　　　زائچہ قطع ہوا آج سے کل والوں کا
برج پابوس ہوئے ، ٹوٹ کے مینار گرے
جوتشی پھینک کے سب خرقہ و زنار گرے

سر پہ آئی تو بدن تا بہ قدم دو ٹکڑے (۸۷) گرز و پیکان و سناں ، تیغ و علم دو ٹکڑے
صاف ہوتے تھے حدوث اور قدم دو ٹکڑے　　　برشِ "لا" نے کیے ہست و عدم دو ٹکڑے
تیغِ دو آب تھی ہر وار دوتا اس نے کیا
رات سے دن کو زمانے میں جدا اس نے کیا

ابرِ جوہر کی سرِ دشت لگی جبکہ جھڑی (۸۸) باڑھ آبِ دمِ شمشیر کی کچھ اور بڑھی
دل میں بیٹھی تھی ابھی تک سو وہ اب سر پہ چڑھی　　　نیزوں بالا ہوئی سر سے سپرِ خور سے لڑی
سپرِ خور کو بھی اک آن میں پایاب کیا
طائرِ تیغ کو پھر لوٹ کے سیراب کیا

ایسی ہموار پڑی جادہ بہ جادہ ہر سو (۸۹) سپریں اڑنے لگیں ہو کے برادہ ہر سو
بیرقیں رن میں جمیں کم نہ زیادہ ہر سو　　　آج گردش میں رہا موت کا بادہ ہر سو
دیکھ کر روئے اجل چشم و نظر کانپ اٹھی
اس قدر بھاگے بدن روح تلک ہانپ اٹھی

تھی ادھر تیغ کی سج اور ادھر اسپ کی چال (۹۰) باغ میں پھول ، پری قاف میں ، صحرا میں غزال
برق پھرتی میں ، مہک خو میں ، نزاکت میں خیال　　　سینہ اس شیر کا خونِ سرِ اعدا سے لال
ہمرہِ تیغِ دودم مثلِ صبا جاتا ہوا
افقِ دشت پہ بادل سا اڑا جاتا ہوا

وہ کنوتی ، وہ دہن ، یال وہ لہراتی ہوئی (۹۱) جست اک موجِ ہوا چیر کے یہ جاتی ہوئی
ہنہناہٹ وہ دلِ باغ کو پگھلاتی ہوئی نغمۂ گل کوئی تتلی سی کہیں گاتی ہوئی
مستیٔ شوق کی سرعت میں بڑھا جاتا ہوا
بر سرِ چرخ وہ نشہ سا چڑھا جاتا ہوا

گہ اڑا ، گاہ مڑا ، گاہ پھرا کاوے میں (۹۲) کچلا سُم سے یہاں اس کو ، وہ پسا کاوے میں
گردشِ چرخ کو چکر یہ دیا کاوے میں کرۂ ارض کے اُس پار گیا کاوے میں
پایۂ عرش کو چوما سوئے گیتی آیا
ایک لمحے میں برس نور کے یہ جی آیا

طیش کھائے ہوئے، کوفے کی ریا کاری پر (۹۳) پیستا دانتوں کو اعدا کی دغا کاری پر
مطمئن رزم میں سرورؑ سے فدا کاری پر دشتِ بے آب میں مامور صبا کاری پر
موسمِ گرم میں خنکیٔ دلِ شاہؑ ہے یہ
جب کہ کوئی نہیں ہمراہ تو ہمراہ ہے یہ

سوئے شہؑ بڑھتے ہیں جو نیزہ و تیر و شمشیر (۹۴) بڑھ کے لیتا ہے یہ خود پر زہے حبِ شبیرؑ
اس وفا کی نہیں عالم میں کوئی اور نظیر فرطِ الفت سے صدا دیتے ہیں شاہِؑ دلگیر
صدقے اس عالمِ غربت میں وفاداری پر
اب قدم روک لے راضی ہوں میں غمخواری پر

تھم گیا رخش وہیں پر جو ملا حکمِ امام (۹۵) گوہرِ اشک مگر چشم میں در آئے تمام
پیار فرما کے کہا شاہ نے اے تشنہ کام! تجھ پہ عباسؑ دلاور کی وفاؤں کا سلام
ساتھ بچپن کا عجب موڑ پہ آخیر ہوا
آن پہنچا ہے وہ محضر ، تھا جو تحریر ہوا

بس کہ کاٹھی میں رکھی تیغ ہوئے محوِ حق (۹۶) ستمِ دستۂ ملعوں سے لرز اٹھے طبق
پھولی اک تیر سے ہونٹوں پہ جو حضرت کے شفق پھول اک ایسا لگا ہو گئی پیشانی شق
پونچھتے تھے وہ لہو شہؑ ، اسی تخمینے میں
تیر اک آن کے پیوست ہوا سینے میں

سرخ فوارہ چھٹا سینے سے تا پشتِ امامؑ (۹۷) اور تڑپ کر لیا چلو میں لہو شہؑ نے تمام
پھینک کر عرش کی جانب، یہ کیا رب سے کلام رہیو شاہد ترے بندے پہ جو گزرے آلام
ماتمِ شاہؑ کا عالم میں فزوں جوش ہوا
آسماں خون سے سرورؑ کے شفق پوش ہوا

اک ستم کیش نے بازو پہ لگائی تلوار (۹۸) زرعہؔ ملعون نے شانے پہ کیا شاہؑ کے وار
ابوایوبؔ نے چلّے کو جو کھینچا یک بار ایک پیکان ہوا توڑ کے حلقوم کو پار
نیزہ ہنسلی پہ سنانؔ ابنِ انس نے مارا
شاہؑ کو گھیر کے سب اہلِ ہوس نے مارا

تیر و تلوار لیے ٹوٹ پڑا لشکرِ کیں (۹۹) زخم پر زخم لگے چاک ہوا جسمِ حسین
آبشار ایک بہا خون کا سر تا بہ زمیں کھایا پہلو پہ جو ناوک نہ سنبھل پائے بہ زیں
اک عجب حشر اٹھا ، سیدِ ابرار گرے
ریگ پر دشت کی شہؑ بر سرِ رخسار گرے

چادرِ خوں تھی تنِ شاہؑ پہ مانندِ کفن (۱۰۰) تھی زباں صرفِ مناجاتِ خداوندِ زمن
ضعف اتنا تھا کہ جھونکے سے لرزتا تھا بدن مگر اس وقت بھی چہرے پہ تھی اک طرفہ پھبن
لعل بن بن کے ہر اک قطرۂ خوں گرتا تھا
رعب ایسا تھا کہ لشکر نہ قریں پھرتا تھا

سپہِ شام میں ہوتی تھی یہ باہم تکرار (۱۰۱) کون گردن پہ اٹھائے سرِ شبیرؑ کا بار
سامنے آنکھوں کے ہے شکلِ رسولِؐ مختار یہ گنہ وہ ہے نہیں جس کی معافی زنہار
چور زخموں سے ہے مظلوم ہے پیاسا ہے حسینؑ
ابنِ زہراؑ ہے محمدؐ کا نواسا ہے حسینؑ

شمر کہنے لگا کچھ رحم نہ میں کھاؤں گا (۱۰۲) ہے بڑا جرم صلہ بھی تو بڑا پاؤں گا
قبر میں حیدرِ کرارؑ کو تڑپاؤں گا روبرو ہوں گے نبیؐ بھی تو نہ شرماؤں گا
رن میں زہراؑ کی کمائی کا گلا کاٹوں گا
سامنے بہنوں کے بھائی کا گلا کاٹوں گا

ہاتھ میں کھینچ کے خنجر کو چلا شمرِ شوم (۱۰۳) تھے وہاں سجدۂ معبود میں شاہِؑ مظلوم
بے ادب کو نہ ہوا پاسِ امامؑ معصوم زلفِ شبیرؑ میں تھا نحس کا دستِ مختوم
پاک سینے پہ نجس قدموں سے اسوار ہوا
زلزلہ عرشِ خداوند پہ یک بار ہوا

مومنو کند تھا کیا شمرِ لعیں کا خنجر (۱۰۴) یا گلوئے شہِ والاؑ پہ تھا دستِ مادر
بارہ ضربوں سے کٹا سیّدِ ابرارؑ کا سر دوڑیں مقتل کی طرف چھوڑ کے زینبؑ چادر
قبر میں احمدِ مرسلؐ کا کفن چاک ہوا
دہر میں خاتمۂ پنجتنِ پاک ہوا

بس کہ ظاہرؔ یہ محبت کی جزا پائی ہے (۱۰۵) عالیہؑ بی بی سے خیراتِ ثنا آئی ہے
پندرہ شعبان کی شب شاہؑ کا مجرائی ہے اب بھی ہووے نہ جو ممنون تو ہرجائی ہے
فیض اس مرثیۂ خاص میں ہے زینبؑ کا
ورنہ تو ہو چکا معزول سخن سے کب کا

ادب میں عظمتِ غم کا تصور

تحریر: علی عرفان

کرۂ ارض پر غم کی تاریخ کا آغاز آدمؑ وحواؑ ہی کے دور سے ہو گیا تھا۔

غم (چاہے وہ غمِ دوراں ہو یا غمِ جاناں) ہر دور میں تہذیبِ انسانی کا ایک بہت اہم جز رہا ہے۔ یہ بات دورِ قدیم کے فنونِ لطیفہ کی جانچ سے بہت ہی واضح ہو جاتی ہے۔ یونان و مصر و روم کی دیومالائی داستانیں المیے سے بھری پڑی ہیں، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہمیں ان تمام داستانوں میں کہیں بھی عظمتِ غم کا کوئی واضح تصور نہیں ملتا۔

شعریات کے ذیل میں گم کی بابت ارسطو کا خیال تھا کہ المیہ ایک سنجیدہ مکمل عمل کی نمائندگی کرتا ہے جو انسان کو ترحم اور دہشت کی منزلوں سے گذارتا ہے اور ان جذبوں کی Catharsis بھی کرتا ہے۔ یعنی دورِ قدیم میں افادیت کے حوالے سے غم کی تعریف صرف Catharsis تھی۔ البتہ چھ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں پیدا ہونے والے گوتم بدھ نے عظمتِ غم کا ہلکا سا تصور پیش کیا اور دنیا کو بتایا کہ سوزِ دروں کے بغیر کوئی آدمی عظیم نہیں ہو سکتا۔

اس طرح نظر تاریخِ عالم کے صفحات پر ابھرتے ہوئے عظمتِ غم کے دھندلے نقوش کا جائزہ لیتی ہوئی آگے بڑھتی ہے اور بڑھتے بڑھتے واقعہ کربلا تک آ کر رک جاتی ہے کیونکہ یہاں تصورِ عظمتِ غم کی معراج ہے۔

واقعۂ کربلا تاریخِ انسانیت کا وہ نقطہ ہے جہاں حسین ابن علیؑ نے فیصلہ کیا کہ پیامِ حق کو غم کی لہروں کی کے ذریعے زمان و مکان کی وسعتوں میں اس طرح پھیلا دیا جائے کہ یہ پیغام ذات، قومیت، مذہب، زبان کے محدود دائروں سے نکل کا آفاقی ہو جائے۔

اس حقیقت کا اظہار جوش نے یہ کہہ کر کیا کہ:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

واقعۂ کربلا کا ذہنِ انسانی پر جہاں کئی طریقوں سے ہمارے سامنے آتا ہے وہاں ایک بات یہ بھی ہمیں نظر آتی ہے کہ دنیا کے تقریباً ہر بڑے ادیب اور شاعر نے واقعۂ کربلا سے استفادہ کیا ہے۔

اگر دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پہلا حصہ ہو "واقعۂ کربلا سے پہلے ادب" اور دوسرا حصہ ہو "واقعۂ کربلا کے بعد کا ادب" تو ان دو حصوں کے موازنے سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ واقعۂ کربلا سے پہلے ادبِ عالم میں عظمتِ غم کا صرف ایک ہلکا سا تصور ملتا ہے جبکہ واقعۂ کربلا کے بعد ادب میں یہ تصور بہت ہی واضح طور سے ابھر آتا ہے۔

عظمتِ غم کے عنوان کے تحت اگر دنیا بھر کے ادیبوں اور شاعروں کی فہرست مرتب کی جائے تو یہ فہرست بہت ہی طویل ہو جائے گی اس لئے یہاں صرف چند ایک ناموں پر ہی اکتفا کرتا ہوں مغربی ادب میں اس ذیل میں گولیتے، دانتے، اوسکر وائلڈ اور ٹی ایس ایلیٹ کے نام

مثلاً پیش ہیں۔مشرق میں دوسری زبانوں کی بہ نسبت عظمتِ غم کا تصور عربی و فارسی اور اردو ادب میں زیادہ واضح طور پر ملتا ہے۔ان زبانوں سے ایک ایک مثال پیش ہے۔

عربی کے حوالے سے یہاں ایک مثال مشہور عربی مفکر اور شاعر خلیل جبران کی دوں گا کہ اس کی اکثر تصنیفات کی بنیاد میں عظمتِ غم ہے۔ذیل میں خلیل جبران کی ایک نظم ''ہم اور تم'' کے ایک حصے کا اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

خلیل جبران کہتا ہے۔

ہم نے غم کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور تم نے خوشی کی ہم نے غم کی کوکھ سے جنم لیا ہے
اور غم
ایک ایسے خدا کی پرچھایں ہے
جو شر پسند دلوں میں نہیں رہتا
اور غم
اتنا عظیم ہوتا ہے کہ چھوٹے دلوں میں نہیں سما سکتا ہم غمگین روحیں ہیں

اور جب تم ہنستے ہو ہم چیختے ہیں اور روتے ہیں اور جو کوئی ایک بار خود اپنے آنسوؤں سے دھل گیا وہ ہمیشہ پاک رہتا ہے۔
ہم نے غم کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور تم نے کوشی کی تم ہمیں نہیں سمجھ سکتے مگر ہم اپنی ہمدردیاں تمہیں پیش کرتے ہیں ہم نے غم کی کوکھ سے جنم لیا ہے ہم شاعر ہیں۔اور ہم پیغامبر ہیں

عظمتِ غم کا اتنا واضح تصور واقعۂ کربلا سے پہلے کی کسی تصنیف میں کوئی دکھادے تو جانیں۔

فارسی کی مثال کے لیے ہمیں زمان و مکان میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کے چند مشہور اشعار از:''رموزِ بےخودی'' پیش ہیں۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیریؑ است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

بہرِ حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ مانوشت

تصورِ عظمتِ غم نہیں تو کیا ہے کہ بقول اقبالؔ امام حسینؑ خاک و خون میں غلطیدہ ہوئے اور اس لیے توحید کی بنا بن گئے۔

آگے اقبالؔ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

شوکتِ شام و فر بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم ازیاد رفت
تارِ ما از زخماش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ و ایماں ہنوز

اقبالؔ کلے ''زخم'' سے متصل ہوتے ہوئے تصورِ عظمتِ غم کی اردو مثال کے طور پر جمیل مظہری کے مرثیے ''مضراب شہادت'' سے دو بند پیش کرتا ہوں۔

اک عالمِ سکون میں تھی بزمِ آب و گلِ　　خود ہورہا تھا انی خموشی سے مفصل
قدرت کا ساز جس کو کہیں آدمی کا دل　　تاروں سے آرہی تھی یہ آواز متصل
روحِ عمل کو لرزشِ بے تاب چاہیے
مضراب چاہیے ہمیں مضراب چاہیے

مضراب بڑھ کے کردی مہیا حسینؑ نے　　خوابیدہ قوتوں کو جھنجھوڑا حسینؑ نے
خون اپنا نبضِ وقت کو بخشا حسینؑ نے　　فطرت کو کردیا تہہ و بالا حسینؑ نے
اللہ رے صبر ، سنگ کا دل آب ہوگیا
ہر ماجرہ فسانۂ مضراب ہوگیا

ان سب مثالوں کے پیشِ نظر اس بات کا فیصلہ کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا کہ آج ذہنِ انسانی میں جو عظمتِ غم کا تصور موجود ہے وہ حقیقتاً حسینؑ ابن علیؑ ہی کا عطا کردہ ہے۔

بقول جوشؔ:

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بہ دم　　صبرِ مسیح و جراتِ سقراط کی قسم
دشت ثبات و عظم ہے دشتِ بلا و غم　　اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حُنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

❀❀❀❀

تصویرؔ فاطمہ صاحبہ کا غیر مطبوعہ مرثیہ

پیغمبرِ نسواں ۔۔۔(درحال جناب سیدہؑ سلام اللہ علیہا)

۔۔۔عباس نقوی (کراچی)۔۔۔

بشکر تعالیٰ و بطفیلِ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔۔محترمہ تصویر فاطمہ صاحبہ کے ایک غیر مطبوعہ مرثیہ کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوں۔محترمہ تصویر فاطمہ کا تعلق کراچی، پاکستان سے ہے۔آپ علامہ جمیلؔ مظہری صاحب کی نواسی ہیں، جمیلؔ مظہری صاحب نے مسدس میں ہیئت کے اعتبار سے روایتی مسدس اور مرثیے میں تبدیلی کا آغاز کیا۔۔اور تیسرے مصرع میں ردیف میں تصرف فرماتے ہوئے آزاد کر دیا۔ان کے بعد ڈاکٹر ہلالؔ نقوی اور محترمہ تصویرؔ فاطمہ صاحبہ نے بھی اسی انداز کو اپنایا۔تصویرؔ فاطمہ صاحبہ نے مرثیہ نگاری کا آغاز اس وقت کیا جب خواتین میں مرثیہ کہنے کا رجحان بالکل نہ تھا۔

تصویرؔ فاطمہ صاحبہ کی مطبوعہ تخلیقات میں اوّل غالبؔ کی زمینوں میں پچیس سلام۔۔۱۹۸۸ء میں شائع ہوئے، دوم ''ردائے صبر'' کی شکل میں مراثی ۔۔بصیرت۔۔، ماں۔۔، رِدا۔۔۔، خواب۔۔۔اور۔۔سید سجادؑ شامل تھے ۱۹۹۶ء میں شائع ہو کر قارئین کرام سمیت ثاقبؔ مظفر پوری، علامہ طالب جوہری اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔۔، پروفیسر مجتبیٰ حسین۔۔، شاہدؔ نقوی، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی۔۔پروفیسر سحرؔ انصاری۔۔، تابش دہلوی۔۔اور پروفیسر رضا کاظمی جیسی اپنے وقت کی جید شخصیات سے نظر نوازی کی سند حاصل کر چکی ہیں۔

نیز اس لحاظ سے بھی تصویرؔ فاطمہ صاحبہ نہایت خوش قسمت ہیں کے ان کے مرثیے اپنے وقت کے بہترین مرثیہ گو و مرثیہ خواں حضرات بشمول کلیمِ آلِ عباؑ شاہدؔ نقوی۔۔، جناب سبطِ حسن انجمؔ صاحب، جناب جاوید حسنؔ صاحب۔۔۔، جناب آغا طالب حسین صاحب اور پروفیسر ضمیر حیدر صاحب (سیالکوٹ) نے منبر سے پیش فرمائے جبکہ معروف سوز و سلام اور نوحہ و منقبت خواں ابرار فتح پوری، سید اسد جہاں، تابش مہدی اور ان کے بھتیجے سید کامران حیدر رضوی ان کے سلام پڑھتے رہے ہیں۔

تصویرؔ فاطمہ صاحبہ کا لاتعداد کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، جس میں ان کا چھٹا مرثیہ (۷۷ بند)۔۔۔پیغمبرِ نسواں۔۔(درحال شہزادی زہرا سلام اللہ علیہا جو انہوں نے ۱۹۹۷ء کہا تھا، تادمِ تحریر غیر مطبوعہ ہے اور اگلی چند سطروں میں پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے، (البتہ واضح رہے کہ کلیم آلِ عباؑ شاہدؔ نقوی صاحب منبر سے یہ مرثیہ پیش فرما چکے ہیں۔۔۔)اس کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، سلام، طویل رثائی نظمیں، نوحے، مختصر رثائیے، قطعات، عزائی نظمیں، قطعہ تاریخِ وفات، غزلیں، نظمیں، رخصتی، سہرا، آزاد نظمیں تا حال غیر مطبوعہ ہیں۔

ذیل میں محترمہ تصویرؔ فاطمہ صاحبہ کا غیر مطبوعہ مرثیہ۔۔۔پیغمبرِ نسواں۔۔پیش کیا جا رہا ہے۔

مرثیہ

غیر مطبوعہ مرثیہ۔۔۔پیغمبرِ نسواں۔۔۔نتیجۂ خیال تصویر فاطمہ (۷۷ بند)

ہستی کے اس سفر کی حدِ معتبر بھی دیکھ   اَے ارتقائے عالمِ نسواں اِدھر بھی دیکھ
اس منتشر فضا میں محمدؐ کا گھر بھی دیکھ (۱) تہذیب ڈھونڈتی ہے کوئی گوشۂ پناہ
جس میں اِک اَیسی دخترِ عالی مقام ہے
جس پر شعارِ عالمِ نسواں تمام ہے

چاہے فروغِ علم کا، نام و نسَب کا عہد   چاہے عجَم کا عہد ہو، چاہے عرب کا عہد
یا انتہائے دانش و حکمت یہ اب کا عہد (۲) وہ کل کا عہدِ ماضیٔ نسواں وہ تیرگی
ہر ذہن ہر نگاہ کی اپنی پسند ہے
لیکن شعارِ فاطمہؑ سب سے بلند ہے

ہر عہد کو نبیؐ نے دیا مشکلوں کا حل   جاری پیامِ حق ہے سدا آج ہو کہ کل
زہراؑ ہیں عورتوں کے لیے رہبرِ عمل (۳) مردوں کے واسطے تو نمونہ ہیں خود نبیؐ
جس سے قریب ہوتی ہے منزل نجات کی
اِک روشنی یہی ہیں ابد تک حیات کی

مثلِ رسولؐ حق کی طرف سے پیام بر   ہر تیرگی میں عالمِ نسواں کی ہیں سحر
رفتارِ نبضِ وقت سنبھالے ہر اِک نظر (۴) ہے جادۂ حیات کا رہبر ہر اِک قدم
رخسارِ ارتقا پہ جو سرخی یہ آج ہے
اِن سے وقارِ عظمتِ نسواں کی لاج ہے

لَو دے رہی ہے عظمتِ بیدارِ فاطمہؑ   ضَو دے رہا ہے جلوۂ کردارِ فاطمہؑ
شمعِ رہِ حیات ہیں افکارِ فاطمہؑ (۵) اِک روشنی افق پہ ہے پھیلی ہوئی ہنوز
تہذیب کی کتاب کا عنواں یہی تو ہیں
آئین ساز عالمِ نسواں یہی تو ہیں

تاحشر عورتوں کی یہی رہنما بھی ہیں   ہادی بھی راہبر بھی ہیں معجز نما بھی ہیں
یہ شمع بھی ہیں نور بھی ہیں آئینہ بھی ہیں (۶) کب مرتبہ کسی نے یہ پایا جہان میں
مریمؑ کا جو شرف ہے وہ چہرے کی ضَو میں ہے
سارؑا و حاجرہؑ کا تجمّل جِلَو میں ہے

اشرف ترین سیرت و کردارِ فاطمہؑ اپنے پدر کے علم کا معیار فاطمہؑ
تبلیغ میں شریکِ رسالت قدم قدم (۷) اللہ کے نبیؐ کی مددگار فاطمہؑ

ہر گوشۂ حیات حصارِ نظر میں ہے
ہر رازِ بزمِ کن نگہِ معتبر میں ہے

یہ باغِ مصطفیؐ میں نیابت کا پھول ہیں کھلتا ہوا جمالِ رسالت کا پھول ہیں
ان پر نگاہ رکھتی ہیں قرآں کی آیتیں (۸) حلقے میں آیتوں کے یہ آیت کا پھول ہیں

ہیں مصطفیؐ کے خواب کی تعبیر فاطمہؑ
اوڑھے ہوئے ہیں چادرِ تطہیر فاطمہؑ

والشّمس ، والضحیٰ کی ہیں تنویر فاطمہؑ یاسین و والحکیم کی تفسیر فاطمہؑ
طٰحٰہ کی آیتوں کو بھی بخشی ہیں زینتیں (۹) آیاتِ ہل اتیٰ کی بھی تقدیر فاطمہؑ

روزے میں دے کے روٹیاں بیکس اسیر کو
مرضیٔ رب بنا دیا نانِ شعیر کو

اِک پیکرِ خلوص و صداقت ہیں فاطمہؑ انسان کے لباس میں رحمت ہیں فاطمہؑ
سمجھے وہی انہیں جو نبیؐ کو سمجھ سکے (۱۰) قرآں صفت ہیں جزوِ رسالتؐ ہیں فاطمہؑ

اعمال کا وہ ربط جو صنفِ نساء سے ہے
اس کی نمود بھی عملِ سیدہؑ سے ہے

تطہیر کہہ رہی ہے یہ اُمّ الکتاب ہیں بنتِ رسولؐ مریمؑ و سارہؑ کا خواب ہیں
تعظیم ایک ہادی کی ہادی پہ فرض ہے (۱۱) رتبہ شناس ان کے رسالتؐ مآب ہیں

دکھلا گئے ہیں دہر کو منصب بتولؑ کا
حق نے دیا ہے مرتبہ جزوِ رسولؐ کا

اہلِ نظر سے اہلِ بصیرت سے عرض ہے ملت پہ فاطمہؑ کی محبت کا قرض ہے
تعظیم ان کی کر کے بتایا رسولؐ نے (۱۲) تعظیم سیدہؑ کی زمانے پہ فرض ہے

تعظیم سیدہؑ کی ہے ضامن نجات کی
کوثر پہ لے کے آئے گی کشتی حیات کی

بیداریٔ نساء کی علامت ہیں فاطمہؑ نسواں کی اِک عظیم قیادت ہیں فاطمہؑ
ان کی فضیلتوں کی کوئی انتہا بھی ہے (۱۳) آغوشِ مصطفیؐ کی امانت ہیں فاطمہؑ

ایمان کا شرف ہیں عبادت کا تاج ہیں
جس رُخ سے دیکھیے یہ پیمبرؐ مزاج ہیں

انسان اب نہیں ہے زمانے میں شرمسار بیٹی ہے آج سارے گھرانوں کا افتخار
وہ زندہ دفن کرنے کا جاتا رہا رواج (۱۴) اب فاطمہؑ کی ذات ہے جینے کا اعتبار
بیٹی اب احترامِ تمدّن کی اہل ہے
اب اس کو وجہِ ننگ سمجھنا بھی جہل ہے

بیٹی کو حق نے حاملِ عظمت بنا دیا ماں باپ کے خیالوں کی زینت بنا دیا
بیٹی جو ایک حرفِ ملامت تھی آج تک (۱۵) توقیر اب ملی اُسے رحمت بنا دیا
رحمت کی بارشوں سے فضا جھومنے لگی
تہذیب سیدہؑ کے قدم چومنے لگی

نفرت کی بات تھی نہ ملامت کی بات تھی بیٹی کو پیار کرنا اب الفت کی بات تھی
یہ سلسلہ چلا تھا رسالت مآبؐ سے (۱۶) لب پر نبیؐ کے جزوِ رسالت کی بات تھی
تعظیمِ سیدہؑ جو تھی عادت رسولؐ کی
پہچان بن گئی یہی عظمت بتولؑ کی

بے شک مثالِ عالمِ نسواں ہے ان کی ذات ہر ایک وصف ذات کا عنواں ہے ان کی ذات
پیغمبرانہ رنگ سے پیغامِ حق دیا (۱۷) سرچشمۂ ہدایت و عرفاں ہے ان کی ذات
ہادی بھی ہیں امام بھی مثلِ رسول بھی
پیغمبری مزاج ہے ان کا اصول بھی

کتنی صفات جمع ہیں اس ایک ذات میں فکر و نظر میں جذب مزاجِ حیات میں
ہر اِک ورق حیات کا اِک روشنی لیے (۱۸) لَو دے رہا ہے آج بھی کُل کائنات میں
قرآں ہے ختم ، علم سے معمور ہے یہ نور
نسواں کی رہنمائی کا دستور ہے یہ نور

زہراؑ نے زندگی کو عبادت بنا دیا ہر فکر و آگہی کو عبادت بنا دیا
ایک اِک قدم اُٹھا ہے عبادت کی راہ میں (۱۹) ہر غم کو ہر خوشی کو عبادت بنا دیا
ہر لمحۂ حیات کو حاصل فراز ہے
ہر قول ہر عمل ہی مجسم نماز ہے

وہ عہدِ جبر دہر میں جب تیرگی سی تھی پیکر میں کائنات کے اِک تشنگی سی تھی
پہچان اپنی عالمِ نسواں نہ دے سکا (۲۰) ماحول کے دباؤ سے بے چارگی سی تھی
ترسی ہوئی حیات دُعا مانگنے لگی
جاتی ہوئی سحر کی بقا مانگنے لگی

اَیسے میں جب شعور کا ملتا نہ تھا سراغ اِک گُل کھلا مہکنے لگا زندگی کا باغ
سنسان رات گھور اندھیرا تھا چار سُو (۲۱) اس تیرگی کے دشت میں جل اُٹھا اک چراغ
اب ہے وہی چراغ قیادت بنا ہوا
ناموسِ زندگی کی علامت بنا ہوا

سلگی ہوئی فضاؤں کا جھلسا ہوا بشر تاریکیٔ حیات میں گھٹتا ہوا بشر
الجھی ہوئی نظر سے تلاشِ سحر میں تھا (۲۲) راتوں کے اژدہام میں بھٹکا ہوا بشر
وہ کارواں تھا ختمِ سفر کی تلاش میں
صدیوں کے رہ نورد تھے گھر کی تلاش میں

زہرؑا نے کہکشاں سی سجا دی حیات میں تابندہ زندگی لیے نسواں کی ذات میں
اِک مستقل گواہ ہے خود ذاتِ سیدہؑ (۲۳) یوں صبح مسکراتی ہے تاریک رات میں
ضو دے رہی ہے وقت کی تحریر آج تک
ان کے عمل کی پھیلی ہے تنویر آج تک

کی سیدہؑ نے راہبری بزمِ راز سے آئی نقاب چہرۂ تہذیب ناز سے
چونک اُٹھی پہلی جنبشِ مضراب سے حیات (۲۴) اِک راگنی سی چھڑ گئی خاموش ساز سے
اس حسن سے خموش فضا بولنے لگی
دل کی سماعتوں میں جو رس گھولنے لگی

چہرے پہ دلکشی لیے تازہ نکھار کی پھیلی فضا میں مدھ بھری خوشبو سنگھار کی
آبِ نمو سے پیکرِ گُل نے وضو کیا (۲۵) پھوٹا سحر کا نور جبیں سے بہار کی
بدلا مزاجِ وقت شعارِ بتولؑ نے
پتھر میں جان ڈال دی بنتِ رسولؐ نے

ڈھونڈا نظر نے عہدِ گزشتہ کے باب میں تاریخ کی کتاب میں دل کی کتاب میں
تاریخ ڈھونڈتی رہی پایا نہیں سراغ (۲۶) لائے کہاں سے کوئی مقابل جواب میں
اگلوں کا اور رتبہ تھا زہرؑا کی ذات اور
تاروں کی بات اور ہے سورج کی بات اور

اَے وقت دیکھ فاطمہؑ زہرؑا کا مرتبہ لکھا ہوا ہے عرش پہ بھی نامِ سیدہؑ
کس کو ہوا جہان میں یہ مرتبہ نصیب (۲۷) گزری ہے کائنات میں بس ایک فاطمہؑ
یہ رتبۂ جلیل یہ عظمت بتولؑ کی
زوجہ خدا کے شیر کی ، بیٹی رسولؐ کی

یہ شان یہ جلال یہ عظمت کسی کی ہے؟ ماں ہے حسنؑ حسینؑ کی زوجہ علیؑ کی ہے
کس کو ملی ہیں عظمتیں ایسی جہان میں (۲۸) یہ عظمتِ نسب ہے کہ بیٹی نبیؐ کی ہے
مثلِ رسولؐ ہادیٔ نسواں بنی ہوئی
تنہا اماموں کا گلستاں بنی ہوئی

ہیں دخترِ رسولؐ ، رسالت نشاں بھی ہیں زوجہ علیؑ کی ہیں تو ولایت کی جاں بھی ہیں
دی ہیں خدا نے زینبؑ و کلثومؑ بیٹیاں (۲۹) اور یہ حسنؑ حسینؑ سے بیٹوں کی ماں بھی ہیں
ہر سلسلے سے ان کے شرف بے حساب ہیں
رشتوں کی ہر جہت سے یہ عظمت مآب ہیں

والّیل کا سکوں کبھی والنجم کی صدا کتنی ریاضتوں کا ثمر سورۂ نساء
آیاتِ دہر اتری ہیں کس تمکنت کے ساتھ (۳۰) احزاب سے عیاں ہے مشیّت کا مدعا
بیتِ علیؑ میں سروِ چراغاں بنی ہوئی
ایمانِ کُل کے گھر دلِ ایماں بنی ہوئی

ہر حال میں ہے یادِ خدا شکرِ کردگار تسبیح پڑھتی رہتی ہیں بے حد و بے شمار
جزوِ نماز بن گئی تسبیحِ فاطمہؑ (۳۱) اللہ کو پسند ہے یہ حمد کا شعار
بچوں کی دیکھ بھال مشقت کے ساتھ ساتھ
چکی بھی پیستی ہیں عبادت کے ساتھ ساتھ

بے مثل سادگی سے عبارت ہیں فاطمہؑ پیغمبرانہ علم و بصیرت ہیں فاطمہؑ
جو رہنمائی کرتی رہے گی بصد وقار (۳۲) شائستہ زندگی کی وہ سیرت ہیں فاطمہؑ
ہرغم ہر اِک خوشی میں شریکِ سفر کے ساتھ
شانِ وَفا دکھاتی ہیں فکر و نظر کے ساتھ

فکرِ نساء کو سازِ دلِ معتبر دیا سہمی ہوئی حیات کو سوزِ جگر دیا
ذہنوں کو نور ، فکر کو تازہ ہوا ملی (۳۳) مایوس ذہن و دل کو بقا کا ہنر دیا
حسنِ صفاتِ ذات کی جلوہ گری کے ساتھ
انساں کی عظمتوں کی حدِ آخری کے ساتھ

قول و عمل میں فکرِ رسالتؐ کی ہے جو ضَو ذہنِ نساء میں ان کے ہی افکار کی ہے رَو
اِک شمع جل رہی ہے شبستانِ فکر میں (۳۴) جو دے رہی ہے طاقِ قیادت میں اب بھی لو
انسانیت کو حُسنِ بصیرت کی راہ دی
بجھتے ہوئے چراغِ خرد کو پناہ دی

فکر و نظر میں حسنِ بصیرت انہی سے ہے رشتے میں پاسداریٔ شفقت انہی سے ہے
ان سے مزاجِ وقت و زمانہ بدل گیا (۳۵) عورت کی آج دہر میں عزت انہی سے ہے
اس بے سکوں حیات کو اِک رہ گزر ملی
تاریک شب میں دل کو نویدِ سحر ملی
اوصافِ فاطمہؑ کا یہ رتبہ ہے اِک طرف عرفان و آگہی کا خزینہ ہے اِک طرف
ادراک و فہم و عقل کی دنیائے بے کراں (۳۶) سب راستے الگ ہیں یہ رستہ ہے اِک طرف
جلوہ فشانیاں لیے اِک کوہِ طور ہے
یہ رہ گزر چراغِ ہدایت کا نور ہے
پھیلی ہوئی ہے گلشنِ ہستی میں چاندنی ان کے عمل سے ملتی ہے دنیا کو آگہی
ہے ان کی دسترس میں ہر اک وادیٔ حیات (۳۷) نوعِ بشر کے حق میں ہیں اِک تازہ زندگی
عالم کی روشنی کا مقدر ہیں فاطمہؑ
اس کائناتِ نور کا محور ہیں فاطمہؑ
قرآن کا پیام ہے گفتارِ فاطمہؑ اک رہبرِ شعور ہیں افکارِ فاطمہؑ
درسِ وفا لیے ہوئے ان کی حیات ہے (۳۸) ضَو دے رہا ہے آج بھی کردارِ فاطمہؑ
ہر دور کے مزاج کی تنہا نقیب ہیں
ہر لمحۂ حیات سے کتنا قریب ہیں
اک قصۂ عجیب یہودی کے گھر کا تھا یہ تذکرہ رسولؐ کی لختِ جگر کا تھا
اکثر روایتوں میں یہ لکھی گئی ہے بات (۳۹) ملبوس انکا اطلس و لعل و گُہر کا تھا
شان و شکوہِ خلعتِ شاہی لیے ہوئے
سرتا قدم تھیں شوکتِ شاہی لیے ہوئے
لکھّا گیا ہے آپ تھیں تابانیوں میں غرق آراستہ لباس معطر تھا تا بہ عرق
خود سادگی کا جس نے دیا ہو جہاں کو درس (۴۰) اُس کا لباس سر سے قدم تک ہے زرق برق
اَیسی روایتوں کو مَیں گردانتی نہیں
کہہ دو مُورخین سے مَیں مانتی نہیں
اِک اِک نفس جو تربیتِ مصطفیؐ میں تھا سارا چلن رسولؐ کا انکی ادا میں تھا
ان کا پیام ان کا عمل ان کی زندگی (۴۱) ہر لمحۂ حیات خدا کی رضا میں تھا
اس نور نے مزاجوں کا محور بدل دیا
اُس تیرگیٔ شب کا مقدر بدل دیا

چہرے پہ کوئی فکر نہ حسرت نہ کوئی یاس وہ سیرتِ رسولؐ کے اِک اِک عمل کا پاس
ہر ظاہری نمود و نمائش سے بے نیاز (۴۲) پہنے تھیں اِک شکستہ و بوسیدہ سا لباس
تھی سادگی نقاب میں سادہ نقاب تھا
لیکن جبیں پہ نورِ رسالت مآبؐ تھا

چہرے پہ نورِ حق کی جلالت کو دیکھ کر مبہوت بزم رہ گئی عظمت کو دیکھ کر
اِک عالمِ سکوت ہر اک دل پہ چھا گیا (۴۳) قول و عمل کے حُسن و صداقت کو دیکھ کر
بدلا رُخِ نگاہ تو منظر بدل گیا
اُن عورتوں کی فکر کا محور بدل گیا

اتری جو ذہن و دل میں صداقت کی روشنی فکرِ رسا کو بخش دی تنویرِ آگہی
اِک شمع جل رہی تھی اندھیروں کے درمیاں (۴۴) پیہم سمٹتی جاتی تھی محفل کی تیرگی
نامِ خدا سے دل کی فضا جھومنے لگی
عرفان و آگہی کی اذاں گونجنے لگی

تاریخ کو ہے یاد وہ جرأت کا امتحاں وقتِ مباہلہ وہ صداقت کا امتحاں
وہ صدق و اعتبارِ نبوتؐ کا مرحلہ (۴۵) وہ علمِ ظاہری سے رسالتؐ کا امتحاں
دیکھا جو پنجتنؑ کو تو گھبرا کے رہ گئے
وہ رعبِ نورِ حق تھا کہ تھرّا کے رہ گئے

دیکھے نہیں زمانے نے ایسے کبھی بشر چہروں کا نور ساری فضا پر تھا جلوہ گر
موسیٰؑ کی طرح دید کی وہ لاسکے نہ تاب (۴۶) پیشِ نظر تھے اور ٹھہرتی نہ تھی نظر
راہب پکار اٹھا کہ یہ بے شک رسولؐ ہیں
اور ان کے ساتھ باغِ رسالتؐ کے پھول ہیں

دشتِ مباہلہ کی وہ تصویر آج تک پہنے ہوئے ہے لفظوں کی زنجیر آج تک
اعجازِ پنجتنؑ سے وہ فتحِ مباہلہ (۴۷) تاریخ کی جبیں پہ ہے تحریر آج تک
تاریخ دے رہی ہے سلامی رسولؐ کو
سجدہ کناں ہیں عالمِ نسواں بتولؑ کو

علم و عمل کا پیکرِ اعجاز فاطمہؑ علم و صداقتوں کی ہے آواز فاطمہؑ
تخلیقِ کائنات کا یہ بھی ہیں اِک سبب (۴۸) جو لفظِ کُن چھپائے ہے وہ راز فاطمہؑ
تکوین کا وجود اسی انجمن سے ہے
قائم نظامِ بزمِ جہاں پنجتنؑ سے ہے

ٹھہری ہوئی یہ سانس جو جسمِ بشر میں ہے راہوں کا پیچ و خم جو حدودِ نظر میں ہے
اس دائرے کا مرکزِ پنہاں ہے ان کی ذات (۴۹) یہ دائرہ جو گردشِ شام و سحر میں ہے
نظمِ حیات ان کے ثباتِ قدم میں ہے
رفتارِ وقت ان کی نگاہوں کے خم میں ہے

اِک ربط سیدہؑ کا رہا ہے دُعا کے ساتھ اِک ایک سانس گزرا ہے ذکرِ خدا کے ساتھ
ٹوٹا کبھی نہ سلسلہ راز و نیاز کا (۵۰) اٹھا ہے جو قدم بھی وہ حق کی رضا کے ساتھ
آتے رہے فرشتے ہدایت لیے ہوئے
درزی بنے ہوئے کبھی سائل بنے ہوئے

ہوتا اگر نہ ان کی دُعاؤں کا سائباں اِک عالمِ جمود میں رہتا یہ گلستاں
ملتا نہ اعتبار زمین و زماں کو آج (۵۱) ہو جاتا کائنات کا ہر نقش بے نشاں
باقی نہ رہتی روح کسی ذی حیات میں
پھر خون دوڑتا نہ رگِ کائنات میں

انساں کی زندگی کا حوالہ انہی سے ہے دینِ نبیؐ میں آج اُجالا انہی سے ہے
انوار کا ہے منبع و مخرج ان ہی کی ذات (۵۲) یہ ارتکازِ نور کا ہالہ انہی سے ہے
یہ اپنی حد میں رہبرِ دینِ الٰہ ہیں
ہر زاویے سے جزوِ رسالتؐ پناہ ہیں

بالکل وہی ہے نور وہی آب و تاب ہے کرنیں لیے جلو میں رُخِ آفتاب ہے
زہراؑ نہیں ہیں مرضئ معبود سے جدا (۵۳) زہراؑ کا ذکر ذکرِ رسالت مآبؐ ہے
بنتِ نبیؐ ہیں رحمتِ یزداں لیے ہوئے
آغوشِ مصطفیؐ ہے گلستاں لیے ہوئے

اکثر رسولؐ کرتے تھے بیٹی سے یہ کلام تیری ہی نسل سے تو چلے گا مرا بھی نام
دنیا و دیں میں تو ہے شریکِ سفر مِری (۵۴) آئے گی تو بھی میری طرح دینِ حق کے کام
قائم رہے گا تجھ سے مِرے نام کا شجر
تیرا ہی خون سینچے گا اسلام کا شجر

کل کا تو حال وہ تھا مگر اب یہ حال ہے باباؐ کے غم میں بیٹی کو صدمہ کمال ہے
دن رات روتی رہتی ہیں بابا کی یاد میں (۵۵) آثار کہہ رہے ہیں کہ جینا محال ہے
بدلی فضا تو ساری امیدیں بکھر گئیں
گزرے نہ تین ماہ کے زہراؑ گزر گئیں

کس مرحلے پہ یورشِ آلام و غم نہ تھی وہ لمحہ کون سا تھا کہ جب آنکھ نم نہ تھی
زہراؑ کے سر پہ باپ کا سایہ نہیں رہا (۵۶) بابا سے یہ جدائی قیامت سے کم نہ تھی
تنہا ہوئے وہ جو کبھی تنہا نہیں رہے
بیٹی تڑپتی رہ گئی بابا نہیں رہے
اب تو نگاہِ یاس تھی اور کربِ انتظار ہر سانس اِک کراہ تھی آنکھیں تھیں اشکبار
جینے کی آرزو نہ رہی دل کو اب کوئی (۵۷) یادِ پدر نے چھین لیا دل کا ہر قرار
غم سے کلیجہ پھٹتا تھا بے بس بتولؑ کا
آنکھوں میں تھا بسا ہوا چہرہ رسولؐ کا
دامانِ دل سے اٹھتا تھا آہوں کا اِک دھواں اِک مقتلِ کراہ تھی بابا کی نوحہ خواں
فریاد و آہ و زاری میں کٹتے تھے رات دن (۵۸) اشکِ رواں سے کہتی رہی غم کی داستاں
گریہ کناں تھے رونے سے وحشی طیور تک
جاتی تھی سسکیوں کی صدا دور دور تک
بچے بھی ماں کو دیکھ کے ہوتے تھے بے قرار شانے ہلا کے پوچھتے رہتے تھے بار بار
امّاں کہاں چلے گئے وہ ہم کو چھوڑ کے (۵۹) ہے کتنی دیر سے ہمیں ناناؐ کا انتظار
بچوں کی بھولی باتوں پہ روتی تھیں سیدہؑ
غمگیں کچھ اور صدمہ سے ہوتی تھیں سیدہؑ
تھا ماتمی فضا لیے زہراؑ کا آشیاں باغِ نبیؐ پہ چھا گیا تھا موسمِ خزاں
اشکوں سے کیسے بجھتی یہ آتش فشاں فضا (۶۰) آہوں سے جل رہا تھا محمدؐ کا گلستاں
حسنینؑ مضطرب تھے علیؑ بھی بتولؑ بھی
گریہ کناں تھی دیکھ کے روحِ رسولؐ بھی
تکتا تھا راہ دیدۂ بیدار موت کی ہٹتی تھی درمیاں سے نہ دیوار موت کی
یادِ پدر میں حال یہ زہراؑ کا ہو گیا (۶۱) دل میں خدا سے تھیں وہ طلبگار موت کی
کچھ دن نہ گزرے موت کا سامان ہو گیا
آخر پدر سے ملنے کا امکان ہو گیا
داغِ پدر ہی موت کا آخر سبب بنا خوشیوں کا وہ گھروندا بھی اب ٹوٹنے لگا
بعدِ رسولؐ حالتِ زہراؑ ہو کیا بیاں (۶۲) آخر جہانِ دشت سے اذنِ سفر ملا
اب رشتۂ حیات کے تاروں کو توڑ کے
زہراؑ ملے گی بابا سے دنیا کو چھوڑ کے

اِک روز محوِ خواب تھیں خاتونِ روزگار سوتے میں بھی تڑپتی تھیں دل کو نہ تھا قرار
چھائے ہوئے تھے چہرے پہ آثار موت کے (۶۳) آنکھیں بوقتِ خواب بھی رہتی تھیں اشکبار
اس اضطراب و کرب میں دیکھا رسولؐ کو
جنت سے جیسے آئے ہوں لینے بتولؑ کو

فرمایا رو کے فاطمہؑ زہراؑ نے اَے پدر دن رات غم میں آپ کے رہتی ہوں نوحہ گر
بابا غمِ فراق کا عالم نہ پوچھئے (۶۴) کیا آپ کو بھی حالتِ زہراؑ کی ہے خبر
دل بجھ گیا ہے جینے کا ارماں نہیں رہا
تھے جس کے سائے میں وہی داماں نہیں رہا

دیکھا رسولؐ نے جو یہ زہراؑ کا اضطراب شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھا اور دیا جواب
بیٹی ملو گی آکے تم اب بابا جان سے (۶۵) یہ دورِ غم گزر گیا آؤ گی تم شتاب
حائل جو شامِ غم تھی وہ رستے سے ہٹ گئی
لمحوں میں انتظار کی وسعت سمٹ گئی

اشکِ رواں کا خنجرِ قاتل قریب ہے اب دامنِ اجل کا بھی ساحل قریب ہے
بچوں کو دیکھ دیکھ کے روتی ہیں بار بار (۶۶) بچوں سے اب جدائی کی منزل قریب ہے
وہ جانتا ہے کرب کے منظر کی ساری رات
گزری ہو جس پہ یہ شبِ فرقت کی بھاری رات

حق سے دُعا کی ، رحم کر اَے ربِّ ذوالجلال دینِ رسولؐ کے ہیں محافظ یہ میرے لال
ہالے میں لے رہی ہیں دُعاؤں کے بار بار (۶۷) زینبؑ پہ ہے نظر کبھی حسنینؑ کا خیال
بچوں کا یہ ہے آخری دیدار فاطمہؑ
دنیا سے اب سفر کو ہیں تیار فاطمہؑ

اسماءؑ کو یہ ہدایتِ زہراؑ تھی بار بار بچوں کا اپنے کرتی ہوں تم کو نگاہ دار
حجرے میں جا کے خالقِ اکبر سے کی دُعا (۶۸) رکھنا کرم کے سائے میں ان سب کو کردگار
دل میں تھیں اِک تلاطمِ پنہاں لیے ہوئے
ساحل کی سمت جاتی تھیں طوفاں لیے ہوئے

آیا خیال ایسے میں محضر کی بات کا اب سامنے حسینؑ تھے اور دشتِ کربلا
صحرا کی گرم لُو میں وہ اہلِ حرم تمام (۶۹) چاروں طرف سے گھیرے ہوئے لشکرِ جفا
گھوڑوں کی ٹاپ سن کے کلیجے دہلتے ہیں
جلتی زمیں پہ بیٹھ کے بچے بلکتے ہیں

آئی ہے صبح پہنے ہوئے ماتمی لباس　　زینبؑ کی خیمہ گاہ پہ چھائے ہیں درد ویاس
نذرانہ اپنی جان کا سب صف شکن لیے (٧٠) سب سربکف ہیں سبطِ پیمبرؐ کے آس پاس
منظر ہے جرأتوں کا عجب قتل گاہ میں
ہے جشنِ عیدِ مرگ حسینی سپاہ میں

چاروں طرف سے آنے لگے اشقیاء کے تیر　　برسے سپاہِ شاہؑ پہ جور و جفا کے تیر
دیکھے ہیں کب کسی نے کہیں ایسے باوفا (٧١) سینے پہ ہنس کے روکے جو آئے قضا کے تیر
غازی حیات و موت کی حد پار کر گئے
صدیاں تھیں جن میں جذب وہ لمحے گزر گئے

بکھری پڑی ہیں دشت میں لاشیں اِدھر اُدھر　　جسمِ بُریرؑ و ابنِ مظاہرؑ ہیں خاک پر
حرِّ جری کی لاش بھی غلطاں ہے خون میں (٧٢) سب محوِ خواب دشتِ بلا میں ہیں بے خبر
اہلِ حرم کا شور و فغاں دیکھتی رہیں
زہراؑ یہ کربلا کا سماں دیکھتی رہیں

دیکھا حسینؑ خاک پہ بیٹھے ہیں ننگے سر　　گریا کناں ہیں قاسمؑ نوشہ کی لاش پر
ٹکڑے عبا میں جسمِ شکستہ کے رکھتے ہیں (٧٣) اب جانبِ خیام قیامت کا ہے سماں
ماتم بپا ہے قاسمؑ نوشہ کی لاش پر
ماں کیسے دل سنبھالے تنِ پاش پاش پر

ہے اِک طرف شبیہِ پیمبرؐ سا نوجواں　　سینہ پہ جس کے برچھی کے زخموں کے ہیں نشاں
کڑیل جواں کی لاش کو لاتے ہیں اب حسینؑ (٧٤) کڑیل جواں کی لاش ہے لیلیٰؑ کا امتحاں
وہ کربلا کی ماؤں کا ایثار دیکھ کر
تھرّا رہی ہیں جذبۂ بیدار دیکھ کر

چھوٹی سی ایک قبر بھی اُبھری نگاہ میں　　ننھا سا شیر خوار بھی ہے اِس سپاہ میں
مٹی کو سونپتے ہیں امانت ربابؑ کی (٧٥) ہے آخری یہ فدیہ بھی خالق کی راہ میں
جرأت کی انتہا یہ دکھائی حسینؑ نے
ننھی سی قبر خود ہی بنائی حسینؑ نے

اب آخری ہے وعدۂ طفلی کا ماجرا　　ہے جسم پر حسینؑ کے زخموں کی انتہا
سجدے میں سر ہے پشت پہ خنجر لیے ہے شمر (٧٦) اِک ماں کا دل تھا دیکھتا کیسے یہ مرحلہ
خنجر رگِ قفا پہ جو قاتل کا چل گیا
زہراؑ نے دیکھا ، آہ بھری ، دَم نکل گیا

اب مرثیہ تمام ہے تصویرؔ فاطمہ   یہ فاطمہؑ کے نام ہے تصویرؔ فاطمہ
لکھا ہے مرثیہ روشِ عام سے الگ (۷۷) یہ شکر کا مقام ہے تصویرؔ فاطمہ
شائد مِرے خلوصِ سخن کی جزا یہ ہے
میرے کلام پر کرمِ سیدہؑ یہ ہے

سلام

تصویرفاطمہ

دیکھا جو ماں نے چہرۂ اکبرؑ کو ساری رات
رکھا سنبھال کے دلِ مضطر کو ساری رات

داغِ پسر وہ دیکھے گی یہ جانتی ہے ماں
اور امتحان دینا ہے مادر کو ساری رات

بیٹے سے کہہ رہی ہے کہ پوتے علیؑ کے ہو
رکھنا نظر میں فاتحِ خیبر کو ساری رات

میں تم کو صدقہ کرتی ہوں زہراؑ کے لال پر
لیکن خبر نہ ہو کہیں سرورؑ کو ساری رات

کچھ غم نہیں جو کل تمہیں مقتل میں دیکھوں گی
اور خاک و خون میں مہہِ انور کو ساری رات

ماں سرخرو ہو ثانئ زہراؑ کے سامنے
سمجھا رہی ہے وہ علی اکبرؑ کو ساری رات

تصویرؔ ڈھل گئی وہ حسینی مزاج میں
دکھلا گئی وہ صبر کے جوہر کو ساری رات

❁❁❁

سلام

ساجدؔ علی

جس دل میں غمِ شہؑ کی امانت نہیں ملتی
جینے کی کوئی اس میں علامت نہیں ملتی

جس دل پہ عبارت ہو رقم کرب و بلا کی
ہونٹوں پہ کبھی ان کے شکایت نہیں ملتی

گر مہرِ رسالت سے ضمانت نہیں ملتی
قانونِ شریعت سے خلافت نہیں ملتی

لا علم نہیں صحبتِ وائظ کے شرف سے
پر کیا کروں جو اس سے طبیعت نہیں ملتی

وہ صف جو جماعت کے تحفظ میں کھڑی تھی
تاریخ میں پھر ایسی اقامت نہیں ملتی

ڈھونڈے سے بھی کاذب کی نشانی نہ ملے گی
سچوں میں کہو کس کی زیارت نہیں ملتی

مجھؐ سے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ اور میں ان سے
کیا تم کو کوئی اس سے نصیحت نہیں ملتی

عطرتؑ سے وہاں رحم کی امید جہاں پر
ہم شکلِ پیمبرؐ کو رعایت نہیں ملتی

ہوتا نہ اگر عطرتِ اطہارؑ یہ کنبہ
جس درجہ ملی اتنی اذیت نہیں ملتی

ساجدؔ وہ رہِ حق کا گماں گر نہیں تو کیا
جس راہ پہ چلنے سے شہادت نہیں ملتی

سلام

زرنگار عباس

محوِ انوارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا
دل گرفتارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

نعمتِ عظمیٰ ہوئی ابنِ علی کی بخشش
حرؑ بھی سالارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

جو کوئی سوچے کہ اصلاحِ عزاداری ہو
وہ گنہگارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

اہلِ دنیا کی طلب جبہ و دستار رہے
حق طرفدار عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

کم سے کم روتے ہوئے اشک نہیں خون بہے
یہی معیارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

کس قدر ہوگا پشیمان بروزِ محشر
جس کو انکارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

اُس کو خود عابدِ بیمار شفا دیتے ہیں
جو بھی بیمارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

جان کے بدلے خریدے جو خدا کی مرضی
وہ خریدارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

زرنگار ایک تعلّق تھا جو دنیا سے مرا
وہ بھی سرشارِ عزاداریٔ شبیرؑ ہوا

سلام

حسن رضاؔ رضوی

کب فقط تیر و سناں سے داستاں لکھّی گئی
طوق و زنجیرِ گراں سے داستاں لکھّی گئی

ایک زخمِ پائے عابدؑ سے خطِ اعجاز میں
خوب عزمِ ناتواں سے داستاں لکھّی گئی

سجدۂ شبیرؑ تھا ایک نقطۂ اوجِ کمال
اس سے آگے بھی وہاں سے داستاں لکھّی گئی

بر سرِ ریگ تپاں ، تھیں پا پیادا بی بیاں
راہ کوفہ تھی جہاں سے داستاں لکھّی گئی

انتقامِ خونِ سرورؑ سے سوا ذمّہ تھا ایک
صبر و ہمت کی عناں سے داستاں لکھّی گئی

ایک رسّن میں باندھ کر آلِ نبیؐ کو لے چلے
سختیِ دستِ کشاں سے داستاں لکھّی گئی

تیرِ سہ شعبہ کہاں اور گردنِ اصغرؑ کہاں
کب ؟ کہاں ؟ ایسی کماں سے داستاں لکھی گئی ؟

تھی شبِ عاشور خیمے کے دیے کی لو ، نویس
صبح ، اکبرؑ کی اذاں سے داستاں لکھی گئی

خشک ہونٹوں نے سنائی العطش کی سرگزشت
بندشِ آبِ رواں سے داستاں لکھّی گئی

شورِ گریہ کے سبب باقی رہی حق کی نوا
ماتم و آہ و فغاں سے داستاں لکھی گئی

کربلا ہے حشر تک آوازۂ وحدت رضاؔ
اس میں شامل ہر زماں سے داستاں لکھّی گئی

فغانِ دلگیر
دلگیرؔ لکھنوی کے سلاموں، نوحوں، رباعیات اور مخمسات کا مجموعہ
جلد اوّل
تحقیق و تدوین
سیّد ارتضیٰ عباس نقوی

فغانِ دلگیر
دلگیرؔ لکھنوی کے نایاب مرثیوں کا مجموعہ
جلد دوم
تحقیق و تدوین
سیّد ارتضیٰ عباس نقوی

میر انیسؔ کے ایک سو گیارہ مرثیے

اکبر حسن جعفری

بیسویں صدی کے چند من چلوں کو چھوڑ کر اردو ادب سے رغبت رکھنے والا ہر فرد میر انیسؔ کو اردو زبان کے بہترین شاعروں میں شمار کرتا ہے۔مگر حیرت انگیز بات ہے کہ میر انیس کو یہ مقام اس حقیقت کے باوجود حاصل ہوا ہے کہ ان کا چھپا ہوا کلام اغلاط سے پر ہے۔کئی مجموعوں میں ایسی ایسی فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں جو مصرعوں کو مہمل بنا دیتی ہیں۔شاید اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہی ہو کہ انیسؔ کے انتقال کے تقریباً ۱۴۸ سال بعد بھی صحت کے ساتھ کوئی جامع مجموعہ سامنے نہیں آیا تھا۔میر انیس کے محاسنِ کلام پر لکھنے والے بہت آئے، مگر قابل ایڈیٹر بہت کم رہے۔

میر انیسؔ کی ایک سو اڑتالیسویں برسی کے موقعے پر امریکہ کے شہر شکاگو میں ایک تاریخی تقریب منعقد ہوئی۔شکاگو کے قدیمی حسینی امام باڑے میں پروفیسر تمثال مسعود صاحب کا تین جلدوں پر مشتمل مراثیِ میر انیسؔ کے مجموعے کی رونمائی ہوئی تھی جس میں انہوں نے تا حدِ امکان صحت کے ساتھ میر انیسؔ کے ۱۱۱ مرثیوں کو مرتب کیا ہے۔ان ۱۱۱ مرثیوں میں تصحیح کے ساتھ وہ ۱۰۸ مرثیے ہیں جو نول کشور پریس اور بعدہ مطبع تیج کمار سے شائع ہوئے تھے جن کی سند سے کسی کو بحث نہیں ہے، اور تین مرثیے جنہیں ان کے دادا پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ صاحب اور والد پروفیسر نیر مسعود صاحب انیس کے مستند مرثیے مانتے تھے: جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج، جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا، اور نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری۔تمثال مسعود صاحب کا یہ کارنامہ کئی دہایوں پر منحصر اپنی، اپنے والد کی، اور اپنے دادا کی خواہشوں اور محنتوں کا حاصل ہے۔نیر مسعود صاحب نے ۱۹۹۰ میں میر انیسؔ کے بارہ مرثیوں کو صحت کے ساتھ بزمِ انیسؔ کے نام سے شائع کیے تھے، مگر شائقین کو انیس کے تمام مرثیے صحت کے ساتھ ایک عرصے سے درکار تھے۔نیر مسعود صاحب نے ایک ایسے مجموعے کو مرتب کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کی جس طرح ان کے والد ادیبؔ صاحب نے بھی کی تھی، مگر متعدد وجوہات کی بنا پر یہ کام ادیبؔ صاحب اور نیر مسعود صاحب کی زندگی میں مکمل نہیں ہوسکا۔تمثال مسعود صاحب نے اپنے والد اور جد کا یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

میر انیسؔ کے انتقال کے بعد جب ان کے مرثیے شائع ہونے لگے تھے، ان کے رشتیدار، تلامذہ، اور مداح سب طباعت کی لاپروائی اور عجیب طرح کی غلطیوں پر حیران اور خفا تھے۔جولائی ۱۹۲۸ء کے نگار میں انیسؔ کے فرزند اور جانشین میر خورشید علی نفیسؔ کے شاگرد مہدی حسن احسنؔ لکھنوی کا مضمون چھپا تھا جس میں انہوں نے اس صورتِ حال کی عکاسی کی۔احسنؔ فرماتے ہیں کہ جب مولانا علی حیدر صاحب نظمؔ طباطبائی نے نظامی پریس حیدرآباد سے انیسؔ کے مرثیے شائع کیے تھے، تو نفیسؔ کے فرزند دولہا صاحب عروجؔ بھی افسردہ تھے:

جناب میر خورشید حسن صاحب عروجؔ عرف دولہا صاحب نے بھی افسوس ناک اثر لیا یہاں تک کہ ایک روز مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت آپ کے دادا استاد کے کلام سے یہ بیرحمانہ سلوک کیا گیا تعجب ہے کہ آپ خاموش ہیں میں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں اور کیا کرسکتا ہوں فرمایا کہ کم از کم اس کے متعلق کوئی مضمون تو لکھیے تا کہ دنیا اس انقلابِ عظیم سے واقف تو ہو جائے ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ اس فروگزاشت کو کارِ

نمایاں سمجھ کر دوسری جلد شائع کرنے کی جسارت کر بیٹھیں۔

احسنؔ صاحب کے مضمون سے چند اور اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں تا کہ طباعتِ انیسؔ پر شاگردانِ انیسؔ اور خانوادۂ انیسؔ کے تاثرات مزید واضح ہوں

۱۔ ۱۹۰۵ میں واقعاتِ انیسؔ (سوانح عمری میر انیسؔ) لکھنے کے بعد برسوں یہ خیال دماغ میں گردش کرتا رہا کہ ایک بہترین ایڈیشن تصنیفاتِ انیسؔ کا شائع کیا جائے جو بحیثیتِ ظاہر دیدہ زیب اور باعتبارِ صحت قابلِ اعتماد و اعتبار ہو کیونکہ مطبوعہ جلدوں میں کلامِ انیس پایۂ اعتبار سے ساقط ہے جس قدر جلدیں مراثیِ انیسؔ کی چھپی ہیں ان میں صحتِ کلام کی جانب توجہ مبذول نہیں ہوئی یعنی نہ تو صحیح مرثیے حاصل کرنے کا کوئی معقول ذریعہ تلاش کیا گیا اور نہ ہنگامِ طبع کسی اہل شخص سے پروف صحیح کرنے کی استدعا کی گئی اس خودغرضی سے ایک نامآور شاعر کی تصنیف کا خون کیا گیا

۲۔ ہمیں افسوس ہے کہ [نظمؔ] نے کمی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ جدید جلد مراثیٔ انیس ظاہری چمک دمک دکھاتی ہوئی ارباب ذوق کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو مشتاقانِ کلامِ انیس کو بجائے مسرت کے ایک قسم کا انقباض ہوا اور جو امیدیں وابستۂ انتظار تھیں ان کا خون ہو گیا

۳۔ بہر حال سخت ضرورت ہے کہ مراثیٔ انیس کا صحیح ایڈیشن شائع کیا جائے اور جلد سے جلد اس کا انتظام کیا جائے ورنہ ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جب اس کی صحت کا امکان بھی نہ رہے گا کیونکہ جو چند صورتیں اس بارِ عظیم کے اٹھانے کی لکھنؤ میں اہل نظر آ رہی ہیں وہ بھی اب چراغِ سحری ہیں

اسی مضمون میں احسنؔ صاحب نے ایک طویل فہرست تیار کی تھی جس میں انہوں نے نظامی پریس کے مجموعے میں چند مرثیوں کے درجنوں اغلاط کی نشاندہی کر کے ان کا صحیح متن پیش کیا تھا۔ مثال کے طور پر ایک مشہور بند پیش کرتا ہوں۔ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے کے اس بند کے چوتھے مصرعے کی عام شکل کو احسنؔ صاحب غلط مانتے تھے، اور غالباً انیسؔ کے رشتے دار، اخلاف، اور تلامذہ بھی غلط مانتے ہوں گے۔

ساونت بردبار فلک مرتبت دلیر — عالی منش سبا میں سلیمانؑ وغا میں شیر
گردانِ دہر ان کی زبردستیوں سے زیر — فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے تھے

احسنؔ صاحب نے اس مصرعے کو یوں پیش کیا ہے

فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور نیتیں بھی سیر

بزمِ انیس اور تمثال مسعود صاحب کے مجموعے میں یہ مصرع اسی طرح موجود ہے۔ کئی ماڈرن مجموعوں میں تیسرا مصرع یوں پایا جاتا ہے

گرداں دہر ان کی زبردستیوں سے زیر

جو اس مصرعے کو مہمل بنا دینے والی ایک فاش غلطی ہے۔ اگر انیسؔ کے اس مشہور ترین مرثیے کے اس مشہور ترین بند میں ایسی غلطیاں مل سکتی ہیں تو دیگر مرثیوں میں غلطیوں کے امکانات کا خیال آتے ہی خوف طاری ہوتا ہے۔ اسی خوف کے عالم میں تمثال مسعود صاحب کے اس

کارنامے کی قدر سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ آخر میں خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ یہ تحقیق اور تدوین کا سلسلہ جاری رہے۔ تمثال مسعود صاحب کے مجموعے کے ساتھ ایک مضمون بھی شامل ہے جس میں وہ کئی ضروری نکات پر گفتگو کرتے ہیں۔ ان باتوں میں تمثال مسعود صاحب نے میر انیسؔ کے ایک مرثیے کو ایک ممکنہ تاریخ بھی دی ہے کہ گمانِ غالب ہے انیسؔ نے یہ مرثیہ ۱۸۴۳ء یا ۱۸۴۴ء تک کہا ہوگا۔ اگر مزید تحقیق کے ساتھ آئندہ ایڈیشنز یا آئندہ کے مجموعوں میں مزید مرثیوں کو اس طرح date کیا جائے تو یہ شائقین اور مداحینِ انیسؔ کے لیے دلچسپی کا باعث اور انیسؔ شناسی کا ایک نیا پہلو بھی ہوگا۔

اس مجموعے کی رونمائی کے ساتھ ساتھ حسینی امام باڑے کی یہ تقریب کئی اور وجوہات کی بنا پر تاریخی تھی۔ تمثال مسعود صاحب کی تقریر سے پہلے ویک یونیورسٹی کے پروفیسر پیٹر نیپسک نے میر انیسؔ سے پہلے ہندوستان میں مرثیہ نگاری کی تاریخ پر ایک لیکچر پیش کیا تھا۔ اس لیکچر کے دوران انہوں نے مسکینؔ دہلوی، درگاہ قلی خان، اور خلیفہ محمد علی سکندرؔ کے مرثیوں کے چند بند پڑھے۔ جب انہوں نے اٹھارویں صدی کے ان شعرا کا کلام پڑھا تو مجمعے میں کراہنے کی آوازیں اٹھنے لگیں، اور کئی حضرات ہلکے سے سینے پر ہاتھ بھی مارنے لگے۔ ان شعرا کا کلام اب زیادہ تر academia کے حلقوں تک محدود ہے۔ تحقیق کے سلسلے میں ان کو یاد کیا جاتا ہے ورنہ کوئی نوحہ خوان یا مرثیہ خوان رلانے کے لیے درگاہ قلی خان کا کلام نہیں پڑھتا۔ بعید نہیں کہ اٹھارویں یا انیسویں صدی کے اوائل کے بعد پہلی دفعہ ان شعرا کے کلام پر ایک مجمعے میں گریہ ہوا ہو۔

پروفیسر تمثال مسعود کی تقریر کے بعد ہر دل عزیز شاعر عارفؔ امام صاحب نے اپنی تقریر کے دوران کلام انیس اور artificial intelligence (مصنوعی ذہانت یا AI) کے کانسیپٹ prompt crafting (پرامپٹ کریفٹینگ) کی مماثلت پر گفتگو کی۔ اس کانسیپٹ کے تحت ایک ماڈل کو علامت (پرامپٹ) کے طور پر کئی الفاظ یا جملے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ ان علامتوں کی تصویر بنائے۔ ان ماڈلوں کے لیے ایسے نیٹ ورک بنائے گئے ہیں جو انسانی دماغ کی طرح احساسات اور معلومات کو پروسیس (process) کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ماڈل ایسی تصویریں بناتے ہیں جن سے عام انسان کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ واقعی یہ تصویر ماضی کے کسی عظیم مصور کی ہوگی۔ عارفؔ امام صاحب کے مطابق، کلامِ انیسؔ میں اسی قسم کی پرامپٹ کریفٹینگ پائی جاتی ہے۔ وہ ایک مصرعے کے ایک ہی لفظ کو علامت بنا کر ہمارے ذہنوں میں تصویر بناتے تھے۔ ان کی مثال انیس کا سدا بہار مصرع تھا جسے ایک مکمل مرثیہ بھی کہا گیا ہے

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے

بقول عارفؔ امام کے، یہاں لفظِ ''کیا'' وہ علامت ہے جس سے ہمارے ذہنوں میں وہ تصویر کھنچ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عنقریب اس موضوع پر ان کی مفصل تحریر بھی آئے گی۔

شکاگو شریف کے حسینی امام باڑے کی اس تقریب نے یہ بات ثابت کی کہ ایسے بھی لوگ ہیں اس دنیا میں جو میر انیسؔ پر تحکمانہ انداز سے بات نہیں کرنا چاہتے، بلکہ وہ مسلسل غور و فکر کر کے انیسؔ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ بقول عارفؔ امام کے، جتنا وقت گزرتا جا رہا ہے، اتنا انیسؔ اور ان کا تخیل سمجھ میں آ رہے ہیں۔

یقیناً وقت کے ساتھ ہی اس عروس کی تصویر بنے گی جسے انیسؔ نے سنوارا تھا:

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

❀❀❀❀

مخمّس بعنوانِ حرّیت

سیّدعباس حیدر زیدی مضطرؔ جونپوری
سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ

ہو میسّر جسے آزادیٔ فطرت پہلے (۱) اپنے اعصاب میں بھر لے جو حرارت پہلے
جس میں ہو جذبۂ قربانیٔ نُصرت پہلے ہر غرض کے لیے رکھتا ہو تو غایت پہلے
اُس کو لازم ہے کہ دے اجرِ رسالتؐ پہلے

کہیں انسان کو ملتی ہے ہدایت پہلے (۲) اس کو درکار ہے کردار کی دولت پہلے
دیدِ حق کے لیے لازم ہے بصیرت پہلے ہر عمل کے لیے پاکیزہ ہو نیت پہلے
آئینہ بننے کو جوہر کی ہے حاجت پہلے

عالم کُن میں ہوئی نور کی خلقت پہلے (۳) بزمِ ہستی میں عدالت سے ہے رحمت پہلے
ختم کرتا ہے خدا بندوں پہ حجت پہلے عقل انسان کو کرتا ہے ودیعت پہلے
بخش دیتا ہے وہ توفیق ہدایت پہلے

حریت مرکزِ احساس فرائض کا ہے نام (۴) ایسا آزاد ہو کردارِ زمانہ ہو غلام
کوئی دہشت ہو نہ دھڑکا ہو نہ فکرِ آلام ابتدا ہی میں نظر آتی ہو شکلِ انجام
شرط اتنی ہے فقط صاف ہو نیت پہلے

شمع جلتی ہے تو ہوتا ہے زمانہ روشن (۵) غیر جلتا ہے مگر اُس میں کہاں ایسی جلن
ذکر اپنوں کا نہیں قدر سے دیکھے دُشمن سب سنیں شوق سے کچھ ایسا ہو اندازِ سخن
سُننے والے کو بھی محسوس ہو لذّت پہلے

راہ دکھلا کے بناتا ہے بشر کو مختار (۶) چاہے کافر وہ بنے چاہے بنے وہ دیندار
نارِ کافر کے لیے خلد برائے ابرار فیصلہ ہوگا ہر انسان کا بس روزِ شُمار
خاص بندوں کی مگر مِلک ہے جنّت پہلے

(۷)

اپنے محبوبوں کا جانچا گیا عالی کردار　　الاماں اُس کی بلندی کہ خجل ہے معیار
نعمتیں ہو نہ سکیں لائقِ انعام شعار　　علمِ حق میں جو نہ ممکن تھی جزائے ایثار
لوح پر لکھ گئی مشکور کی آیت پہلے

(۸)

ہے ازل ہی سے ارم ملکیتِ آلِؑ عبا　　نعمتوں پر متصرف تھی کنیزِ زہراؑ
خوانِ جنّت کا منگا سکتی ہے وہ کر کے دعا　　مرضیٔ آل نبیؐ بن گئی مرضیٔ خدا
اس کے طالب کو ضروری ہے مودّت پہلے

(۹)

دیکھ کر اہلِ وفا کی وہ مثالی ہمّت　　شہؑ نے دے دی سندِ عشق و ولائے عترت
یوں تو جنّت تھی بخود سبطِ نبیؐ کو صورت　　سر فروشوں کو مگر شہؑ نے دکھا دی جنّت
جان کے مول کی دے دی اُنھیں قیمت پہلے

(۱۰)

حُریت نام ہے اخلاصِ رضا کاری کا　　حرّیت راز ہے انسان کی بیداری کا
حریت عید ہے ہر ظلم سے بیزاری کا　　حریت بادہ ہے ایمان کی سر شاری کا
زندگی کو ہے اسی جام کی حاجت پہلے

(۱۱)

حریت چشم و دماغِ دل و نیّت کا ہے نام　　وہی پی سکتا ہے اس بادۂ حق کیف کا جام
راہِ ہستی میں نظر جس کی ہو ثابت ہر گام　　لذّتِ موت سے مانوس ہو جس کا اسلام
حق پہ مر مٹنے کی ہو خوں میں حرارت پہلے

(۱۲)

حریت آئینۂ جوہرِ انساں تو ہے　　شرط ایمان ہے تو وصفِ مسلماں تو ہے
جس میں کردار پنپتے ہیں وہ داماں تو ہے　　مختصر اوجِ دہِ بوذرؓ و سلماںؓ تو ہے
حُرؑ نے بخشی تجھے معراجِ نہایت پہلے

(۱۳)

فتحِ حقّانیتِ سبطِ پیمبرؐ ہے حُرؑ　　کربلا آئینۂ حق ہے تو جوہر ہے حُرؑ
کھول دی راہِ جناں جس نے وہ رہبر ہے حُرؑ　　جس نے تقدیر بنالی وہ سکندر ہے حُرؑ
حُریت جس کے تصوّر کی تھی زینت پہلے

(۱۴)

حُرؑ کی قسمت پہ نظر کیجیے حیراں ہو کر　　ظلمتِ شام سے نکلا مہہِ تاباں ہو کر
پہنچا وہ خدمتِ سرورؑ میں مسلماں ہو کر　　بخشوالی ہے خطا اس نے پشیماں ہو کر
حُرؑ نے کی حضرتِ شبیرؑ کی نصرت پہلے

(۱۵)
بڑی مشکل ہے کوئی یوں صفتِ حُرؑ ہو جائے   نہیں آسان ہر انسان بہادر ہو جائے
ذوقِ قربانی و ایثار سے دل پُر ہو جائے   نہیں جائز کہ کوئی محوِ تفاخر ہو جائے
حق ہے گر لے لے امامؑ سے اجازت پہلے

(۱۶)
ساکنِ منزلِ کوفہ تھا پہ تھا شام کا حُرؑ   نہ تو آغاز کا وہ حُرؑ تھا نہ انجام کا حُرؑ
خدمتِ شاہؑ میں آیا تو بنا کام کا حُرؑ   اب وہ آزاد ہُوا پہلے جو تھا نام کا حُرؑ
بعد میں آیا مگر پا گیا جنّت پہلے

(۱۷)
راہ بر بن گیا لاکھوں کا جو تھا خود گمراہ   دور بیں کیسی تھی قسمت کہ بنا حق آگاہ
خود بغل گیر ہوئے بڑھ کے امامِؑ ذی جاہ   حوریں کہنے لگیں جنّت سے کہ ماشاء اللہ
موت کے وقت بھی کی شہؑ کی زیارت پہلے

(۱۸)
اس نے پکڑی بھی لجامِ فرسِ شاہِؑ عرب   سبطِ احمدؐ سے یہ انداز ادب ہائے غضب
اپنا انجام بنایا حُرِؑ خوش بخت نے جب   حُرؑ کو حضرت نے دیا حُرِؑ حقیقی کا لقب
مٹ گئی تھی جو امامت کو شکایت پہلے

(۱۹)
نام میں حُرؑ کے لکھا تھا یہ شرف قدرت نے   کہ دی آئینۂ ہستی پہ جِلا فطرت نے
لوریاں دی تھیں تصوّر کو حسیں سیرت نے   منزلِ اوج پہ پہنچا ہی دیا قسمت نے
خیر مقدم کو بڑھا جانِ امامتؑ پہلے

(۲۰)
فرض انساں پہ ہے سُنتا رہے عبرت کی صدا   چاک کرڈالے پڑا ہے جو نظر پر پردا
دل میں پیدا کرے وہ حُسنِ عمل کا جذبا   حوصلہ ہو اگر انساں میں تلاشِ حق کا
حُرؑ کے کردار کی سمجھے وہ حقیقت پہلے

(۲۱)
کیسا مخصوص ہے فردِ شہدأ میں ترا نام   زندگی ہنس پڑی تو نے جو پیا موت کا جام
تجھ سے راضی ہُوا ناراض جو پہلے تھا امام   آج تک کہتا ہے یہ حجّتِ آخر کا سلام
تو نے کی حضرتِ شبیرؑ کی نُصرت پہلے

(۲۲)
تجھ سا جاں باز زمانے میں نہ دیکھا نہ سُنا   تیری خلقت تھی ازل ہی سے پئے کرب و بلا
فوجِ شاہی سے نکلنا تھا جہادِ اولیٰ   پائے شبیرؑ پہ سر رکھ کے مقدر چمکا
سیر جنّت کی ملی شہؑ سے اجازت پہلے

کیا بتاؤں رفقائے شہِؑ والا کا مآل سب کے سب قابلِ توصیف تھے سب خوش اقبال
کیا حسیں تھے کہ حسین ہوگیا ماضی سے بھی حال (۲۳) بدر کی طرح چمکنے لگے میداں میں ہلال
نہ ہوئی تھی کبھی اس شان کی رویت پہلے

کیا زباں سے کہوں مضطرؔ کرمِ شاہِؑ انام گئے ہر ایک کے لاشے کے اُٹھانے کو امامؑ
مرگئے ہیں وہ مگر زندہ ہے ہر ایک کا نام (۲۴) ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں آزاد و غلام
پہنچا جنّت میں وہ جس کی تھی ضرورت پہلے

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کی ایک اور پیشکش

دبیرؔ کے مرثیے

(جلد چہارم)

(زیرِ طبع)

ترتیب وتدوین

اصغر مہدی اشعر

ایڈیٹر کے نام خطوط

ڈاکٹر مظہرؔ عباس رضوی:

محترم جناب اصغر مہدی اشعر صاحب

سلام مسنون

الحمدللہ کہ فروغ مرثیہ کی اشاعت تیسرے سال بھی جاری وساری ہے اوراس کا دسواں شمارہ آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اللہ تعالیٰ نے رثائی ادب کی خدمت کی مشکل ذمہ داری آپ کو سونپی جو بطفیلِ پنجتنؑ پاک آپ نہایت محنت سے پوری کرر ہے ہیں ۔خداوندِ متعال آپ کو اس مشن میں کامیاب وکامران کرے۔آج کے دور میں جناب ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کے بعد آپ ہی رثائی ادب کے مردِ میدان ہیں۔ آپ کا یہ رسالہ نہ صرف برِصغیر پاک وہند میں مقبول ہے بلکہ غیر مما لک میں جہاں جہاں اردو بولنے والے رہائش پذیر ہیں اس کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

نومبر ۲۲ کا یہ شمارہ بھی آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔سب سے پہلے گوشۂ فارغؔ سیتاپوری میں غیر مطبوعہ سلاموں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔اگراس کے آغاز میں فارغؔ سیتاپوری کا مختصر تعارف پیش کر دیا جاتا تو شاید بہتر لگتا۔تازہ سلاموں میں جناب اخترؔ آصفؔ زیدی کا مشکل قوافی سے آراستہ سلام اور اور جناب کلیمؔ ظفر کا سادگی سے مزّین سلام بھی رسالے کی زیب وزینت میں اضافہ کرتا نظر آیا۔اس رسالے میں جہاں نو واردانِ سخن کی پزیرائی کی جاتی ہے وہیں گاہے گاہے بازخواں ایں قصہّ پارینہ را کے تحت قدیم مرثیہ گو یان کے احوال اور رثائی ادب میں ان کی خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔اس سلسلے میں اس دفعہ جناب معجزؔ سنبھلی پہ ڈاکٹر کشور جہاں زیدی اور محترمہ مملکت بدر پرڈاکٹر سید علی عرفان کے مضامین نے زمانے کی بے توجہی اور بیگانگی کی گرد جھاڑ کر ان شعرا کی خدمات کو نئی نسل میں متعارف کرانے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔

منظرؔ عباس نقوی کی رثائی تنقید پر ڈاکٹر عابد حسین حیدری کے قلم کی جولانیاں اچھی لگیں۔''فروغ مرثیہ'' میں جہاں خوبصورت مراثی پڑھنے کو ملتے ہیں وہیں ہم جیسے مبتدیوں پہ رثائی ادب کی تنقید نگاری کے اسرار بھی کھلتے چلے جاتے ہیں۔جناب محمد علی ظاہرؔ کا مضمون ''رثائے عصر ایک جائزہ'' ہمیں نوجوان شاعر عادلؔ مختار کے اولین مجموعہ مراثی سے روشناس کراتا ہے۔ان کا یہ بھرپور مضمون بذات خود صاحبِ مضمون میں چھپی رثائی تنقیدی شعور کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔محمد علی ظاہرؔ کا یہ طویل مضمون فنی چابکدستی سے جناب عادلؔ مختار کے مراثی کا احاطہ کرتا ہے۔مضمون پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ جناب محمد علی ظاہرؔ نے کتاب کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور مضمون کو صرف تعریف وتوصیف کا پلندہ نہیں بنایا بلکہ بہت متوازن رہتے ہوئے چند اغلاط کی طرف بھی نشاندہی کی ہے۔

سلسلۂ غیر مطبوعہ مراثی میں اس دفعہ جناب علی جاؔوید مقصود اور جرؔار چھولسی کے مرثیے پڑھنے کو ملے۔یوں تو دونوں مراثی کے آغاز میں ۲۷ بند کی تعداد مرقوم تھی مگر علی جاوید مقصود کے مرثیہ کے کل ۹۰ بند تھے جن کو سہواً ۲۷ لکھ دے گیا۔اس کے علاوہ یہ عرض کرنا تھی کہ راقم کی ارسال کردہ حمد پر بھی غلطی سے سلام کی سرخی لگ گئی جو یقیناً قارئین کو کھٹک رہی ہوگی۔

کیونکہ آپ کا رسالہ فروغ مرثیہ آپ کی ویب سائیٹ ای مرثیہ سے منسلک ہے بلکہ اسے اس کی اولاد کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔اس سلسلے میں ایک تجویز ہے کہ اگر ہر شمارے میں ایک مختصر تحریر اس ویب سائیٹ کی کارکردگی پر روشنی ڈالتی رہے اور اس پہ اپ لوڈ کیے گئے مراثی کی فہرست بھی مہیا کی جاتی رہے تو یہ باہمی رابطہ شاید دونوں کے فروغ میں ممد و معاون ثابت ہو۔

امید ہے اگلا شمارہ بھی اسی طرح شائقانِ رثائی ادب کی تشنگی بجھاتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

خیر اندیش

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی۔

اسلام آباد۔پاکستان

شہابؔ صفدر:

مدیر۔۔۔فروغِ مرثیہ۔۔۔محترم اصغر مہدی اشعر صاحب۔۔۔سلام مسنون مرثیے کے فروغ کے لیے آپ جو کاوشیں کر رہے ہیں وہ نہایت لائقِ تحسین ہیں۔۔۔فروغِ مرثیہ کی اشاعت میں تسلسل اور تخلیقی و تحقیقی و تنقیدی مواد کی فراہمی کے لیے محنت اور سعی کو نہ سراہنا ادبی کنجوسی ہوگا اس لیے میں اس تگ و تاز پر آپ کو سلام پیش کرتا ہوں تازہ پرچہ جو کہ ترتیب کے لحاظ سے دسواں شمارہ ہے حسبِ سابق خوب صورت مشمولات کا حامل ہے اس میں عادلؔ مختار کی کتاب رثائے عصر۔۔۔پر محمد علی ظاؔہر کا مضمون نہایت خاصے کی چیز ہے۔۔۔یہ دونوں نوجوان جدید اردو مرثیے کی تخلیق و تنقید کے لیے ایک ڈھارس ہیں۔۔۔رثائے عصر۔۔۔کا مطالعہ میں کر چکا ہوں اس لیے میں محمد علی ظاہر کے مضمون میں عادلؔ مختار کی فکری و فنی خوبیوں کی بجا طور پر تحسین حق بہ حق دار رسید کے مماثل قرار دیتا ہوں۔۔۔محمد علی ظاہرؔ صاحب نے بہت باریک بینی اور دقت سے زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ کیا اور پھر اردو کے قدیم و جدید شعری سرمائے کی روشنی میں عادلؔ مختار کی مرثیہ نگاری کو پرکھا اور جانچا ہے فی زمانہ کسی فن پارے کے لیے ایسی زحمت ناقدین کم کم ہی اٹھاتے نظر آتے ہیں۔۔۔پھر اپنے معاصر کسی شاعر کے لیے تو زیادہ زیادہ چلتے پھرتے دو تین جملے اچھال کر آگے بڑھ جانے کی روش عام ہے مجھے محمد علی ظاہرؔ کے علمی اخلاص نے بہت متاثر کیا۔۔۔یہ ان کی پہلی تنقیدی تحریر تھی جو میری نظر سے گزری۔۔۔البتہ اختر عثمان کے حوالے سے۔۔۔فروغِ مرثیہ۔۔ہی میں عادلؔ مختار کا ایک مضمون پڑھ چکا ہوں اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں نوجوان اردو مرثیے کی تخلیق و تنقید کے روشن مستقبل کا دل آویز استعارہ ہیں اللہ پاک ان دونوں کے علمی و ادبی مشاغل کو مزید برکتوں اور کامیابیوں سے ہم کنار کرے

والسلام شہاب صفدر۔۔۔اسلام آباد